کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد، دہلی ۶

اس کتاب میں تبلیغی جماعت کے مندرجہ ذیل چھ نمبروں کی مفصل تشریح و توضیح کی گئی ہے (۱) کلمۂ طیبہ (۲) نماز (۳) علم و ذکر (۴) اکرام مسلم (۵) اخلاص نیت (۶) تفریغ وقت اور ان شش گانہ اصولوں کی اہمیت، ضرورت اور ان کے فضائل کی آیتیں اور حدیثیں جمع کر کے امت کے منصب دعوت و امامت اور دینی جد و جہد کی اہمیت بیان کی گئی ہے، اور آخر میں تبلیغی جماعت کے بعض خاص اشغال و امور نظم جماعت، تقسیم کار، ترتیب اوقات، امیر و مامور کے فرائض، سفر، گشت، مجالس و اجتماعات کے آداب اور تقریر، بیان اور تبلیغ و دعوت وغیرہ کے متعلق ضروری ہدایات تحریر کی گئی ہیں اور انکے متعلق مولانا محمد الیاسؒ کے ارشادات و ملفوظات بھی نقل کیے گئے ہیں، [کزرعٍ اخرج شطأہ] میں شطأ' کا ترجمہ بال صحیح نہیں کیا گیا ہے، صحیح ترجمہ اکھوا، پٹھا اور موئی وغیرہ ہوگا، آیت قرآنی کے کلمہ طیبہ کا مفہوم اصطلاحی کلمہ طیبہ میں حصر کرنا اور جہاد و قتال کی آیتوں کو تبلیغی جماعت کے دوروں اور چلیوں پر منطبق کرنا محل نظر ہے، آیت ضرب اللہ مثلاً کلمۃً طیبۃً کو غلط نقل کیا گیا ہے، کتاب کی زبان سادہ و سلیس ہے، اور یہ نہ صرف تبلیغی جماعت کے کارکنوں بلکہ عام مسلمانوں کے لیے بھی مفید ہے۔

حیات مسلم[۱]، چاند تارے اور آسمان[۲]، اسلام کیوں[۳]۔ مرتبہ مولانا سید محمد میاں صاحب، تقطیع خورد، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، صفحات بالترتیب ۱۱۲، ۴۸، ۳۲، قیمت عہ، ۵ پیسے و ۲۰ پیسے۔ پتے (۱) الجمعیۃ بکڈپو، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶ (۲) کتابستان، گلی قاسم جان، دہلی ۶

پہلے کتابچہ میں مسلمان کی پیدائش سے وفات تک کی روزمرہ کی زندگی کے متعلق اسلامی ہدایات و تعلیمات بیان کی گئی ہیں، اس میں عبادت، معاملت، اخلاق اور معاشرت و معیشت وغیرہ کے متعلق ضروری احکام آگئے ہیں، ضمناً ان رسوم اور بدعات وغیرہ کی بھی تردید کی گئی ہے، جو مسلمانوں کی زندگی میں داخل ہوگئی ہیں، اور جن کی کوئی شرعی سند نہیں ہے، دوسرے میں خلائی پرواز کے نتیجے میں چاند، تاروں اور آسمان کے بارہ میں پیدا شدہ سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں، اور انکے متعلق قدیم علمائے ہیئت و فلاسفہ اور جدید سائنسدانوں کے خیالات پیش کیے گئے ہیں، تیسرے میں اسلام کی حقیقت اور اسکی تعلیمات کے امن و سلامتی کے ضامن ہونے کی وضاحت کی گئی ہے، ان کتابچوں کی زبان آسان و عام فہم اور پیرایۂ بیان دلکش ہے۔

"ض"

جلد ۱۱۰ ماہ رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۷۲ء عدد ۴

مضامین

مقالات

باب التقریظ والانتقاد

شذرات

نظام تعلیم میں حکومت جو اقدامات کر رہی ہے اس سے تعلیم کو قومیانے کا رجحان ظاہر ہو رہا ہے، اس کی زد میں اقلیتوں کے تعلیمی ادارے بھی آئیں گے، جو کسی حیثیت سے بھی ایک جمہوری اور سیکولر حکومت کے لیے زیبا نہیں ہے، تعلیم کا مقصد ذہن و دماغ کی آزادانہ تربیت اور نشو و نما ہے، قومیانے کا مقصد یہ ہے کہ تعلیم حکومت کے تابع ہو جائے جو تعلیم کی آزادی کے سراسر خلاف ہے، تعلیم میں تو شخصی حکومتوں نے بھی کبھی مداخلت نہیں کی، خود اسلامی ہند میں ہندو مسلمانوں کے ہزاروں لاکھوں مدارس تھے، ان میں بہت کم ایسے تھے جو حکومت کے ماتحت رہے ہوں، بیشتر مدارس علماء اور اہل خیر قائم کرتے تھے، اور وہی ان کو چلاتے تھے، زیادہ سے زیادہ حکومت بعض مدارس کی امداد کرتی تھی، مگر اس کے نظام میں اسکو دخل دینے کا حق نہ تھا، اس لحاظ سے اس دور میں تعلیم صحیح معنوں میں پبلک کے ہاتھوں میں تھی، اس آزادی کو قائم رکھنے کے لیے عربی مدارس نے انگریزوں کی بھی مت کی امداد و قبول کی اور نہ اب قومی حکومت کی، اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ان مدارس کے علماء ہندوستان کی آزادی میں پیش پیش تھے، سارے متمدن اور جمہوری ملکوں میں تعلیم آزاد ہے، حکومتیں جن یونیورسٹیوں کی امداد بھی کرتی ہیں ان میں بھی ان کو مداخلت کا حق نہیں ہے،

تعلیم کو قومیانا سوویٹ یونین کی ایجاد ہے جس کو قوموں کی آزادی اور مساوات کا

بہت بڑا وکیل سمجھا جاتا ہو لیکن حقیقۃً وہ انتہادرجہ کی مستبد حکومت ہے جس میں جذبات و خیالات پر بھی پابندی ہے، حکومت پر کسی تنقید کو برداشت نہیں کیا جاتا، اس کی سزا قتل یا جلاوطنی ہے، وہ زبان سے تو اپنی اقلیتوں کی مذہبی آزادی اور ان کی زبان اور تہذیب کے تحفظ کی مدعی ہے لیکن عمل یہ ہے کہ سوویٹ یونین کی مسلم ریاستوں کے مسلمانوں کو جن کی تعداد کئی کروڑ ہے، اتنا مسخ کر دیا ہے کہ وہ صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں، اور اس سرزمین میں جو صدیوں تک اسلامی علوم و فنون کا مرکز رہ چکی ہے، اور جہاں بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے، اسلام کا نام و نشان باقی نہیں ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ روس سے جو مسلمان طلبہ ہندوستان میں حصول تعلیم کیلئے آتے ہیں، وہ روزے نماز کے نام تک سے ناواقف ہوتے ہیں، البتہ اس نے دنیا کو دھوکا دینے کے لیے کچھ آثار قدیمہ رکھ چھوڑے ہیں جن کی ضرورت کے وقت نمائش کردی جاتی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ روس سے اسلام ختم ہو چکا ہے اور اسکے بچے کھچے آثار مٹانے کی کوشش برابر جاری ہے

اس کے ایجنٹ بڑے فخر سے اس کا یہ کارنامہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے روس کے مسلمانوں کی کایا پلٹ دی ہے، اور انکو تعلیمی تہذیبی اور اقتصادی حیثیت سے بام عروج پر پہنچا دیا ہے، اگر یہ صحیح بھی ہو تو ایسے عروج اور ترقی سے کیا فائدہ جب مسلمان مسلمان ہی باقی نہ رہے بلکہ دوسری مادہ پرست قوموں کی طرح ایک قوم بن گئے، یہ ترقی نہیں بلکہ نسل کشی ہے تعلیم کو قومیانے کی ایک دلیل یہ بھی دکھائی ہے کہ اس کا مقصد جذباتی ہم آہنگی اور اتحاد و یکجہتی پیدا کرنا ہے، یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے، اتحاد و یکجہتی تنہا تعلیم کے ذریعہ نہیں پیدا کیجا سکتی، بلکہ بلاتفریق مذہب و ملت ملک کے تمام باشندوں کے درمیان حقوق میں عدل و مساوات اور رواداری و کشادہ دلی سے پیدا ہوتی ہے، کسی اقلیت پر اسکی مرضی و مزاج کے خلاف تعلیم مسلط کرنے کا الٹا اثر پڑیگا، اس سے اور زیادہ بے اعتمادی پیدا ہوگی،

جس ملک میں ایک قوم، ایک مذہب اور ایک تہذیب ہو وہاں تو قومیانے کا جواز نکل سکتا ہے، لیکن جو ملک مختلف مذاہب اور مختلف تہذیبوں کا گہوارہ ہو اور دستور نے ان سب کے تحفظ کی ضمانت بھی دی ہو وہاں تعلیم کو قومیانا دستوری تحفظ کے سراسر خلاف ہے، یہ مسئلہ اس پہلو سے بھی قابل غور ہے کہ جن ملکوں میں ڈکٹیٹر شپ ہے، یا جہاں ہمیشہ ایک ہی پارٹی کی حکومت کا قانون ہو وہاں تو قومیانا شاید مفید ہو لیکن ایک جمہوری ملک میں جہاں برابر حکومتیں بدلتی رہتی ہیں، بلکہ ایک ہی وقت میں مختلف ریاستوں میں مختلف پارٹیوں کی حکومت ہوسکتی ہے تعلیم کو قومیانا خود تعلیم کیلئے مضر ہے، اگر ہر برسر اقتدار حکومت اپنے اپنے نقطۂ نظر سے تعلیم کو قومیاتی رہے تو اس کا سارا نظام چوپٹ ہو کر رہ جائے گا۔ اسلئے تعلیم کو خاص طور سے اقلیت کے تعلیمی اداروں کو قومیانا دستوری، جمہوری، اور تعلیمی کسی حیثیت سے بھی مناسب نہیں، تعلیم پر حکومت کی نگرانی صرف اسی حد تک ہونی چاہیے کہ اس میں کوئی چیز ملکی مفاد کے خلاف نہ ہو،

لیکن حکومت اور ملک کا مفاد دو الگ الگ چیزیں ہیں، ہندستان میں اس فرق کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے، جس سے اقلیتوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہاں ملکی مفاد نام ہے اکثریت کے جذبات وخواہشات کا، خواہ وہ ملکی مفاد کے کتنے ہی خلاف ہوں، چنانچہ ایک ہی چیز جو اکثریت کے لئے قومیت اور وطنیت کی نشانی سمجھی جاتی ہے، اقلیت کے لیے فرقہ واریت بنجاتی ہے، اکثریت حکومت پر سخت سے سخت تنقید اور اس کی پالیسی کی مخالفت کرے تو اس سے اسکی قومیت اور وطن دوستی میں کوئی فرق نہیں آتا، لیکن اگر اقلیت کسی معاملہ میں ملک کی خیرخواہی میں کوئی ایسا خیال ظاہر کرے جو حکومت کی پالیسی یا اکثریت کے جذبات کے خلاف ہو تو فرقہ پروری اور ملک کے ساتھ غداری ہے، بلکہ اپنے حقوق کا مطالبہ بھی علیحدگی پسندی شمار کیا جاتا ہے، یہ روزانہ کے مشاہدات ہیں، جس کی مثال دینے کی ضرورت نہیں،

مقالات

تہذیب کی تشکیل جدید

سیاسی نظام

از جناب مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۷)

جمہوریت حکومت کی ترقی یافتہ شکل ہے

مغربی تہذیب نے سیاسی نظام میں کافی پیشرفت کرلی ہے، جمہوریت اس کی انتہائی ترقی یافتہ شکل ہے، جس تک کافی تجربہ کے بعد پہنچا گیا، اور جس سے بہتر نظام کا تصور سردست ناممکن ہے، لیکن اتنا عرصہ گذرنے کے بعد بھی نہ اس کی واضح تعریف ہوسکی اور نہ اس کو ٹھیک طرح عملی جامہ پہنایا جاسکا، چنانچہ ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ کی ثقافتی مجلس نے جو تحقیقاتی کمیٹی جمہوریت پر ریسرچ کیلئے قائم کی تھی، اس نے درج ذیل بنیادی سوال کیے تھے،

جمہوریت سے متعلق دو بنیادی سوال اور ان کے جواب

(۱) جمہوریت کا مفہوم کیا ہے،

(۲) اکثریت کا فیصلہ کیا ہمیشہ درست ہوتا ہے؟

پہلے سوال کے جواب میں اکثر لوگوں نے اعتراف کیا کہ جمہوریت ایک مبہم لفظ ہے، جسکا مفہوم اب تک متعین نہیں ہوسکا، اور دوسرے سوال کا جواب یہ دیا گیا کہ اکثریت کے

فیصلہ کو غلطی سے پاک سمجھنا خود زبردست غلطی ہے کیونکہ انسان خواہ فرد ہو یا جماعت بہرحال انسان ہے، وہ ان کمزوریوں سے پاک نہیں ہوتا جو نوع انسانی کا خاصہ ہیں۔[1]

چند چیزیں جن کی ہر دور کی حکومت میں یکساں ضرورت رہتی ہے، اور جن میں عقل و تجربہ کی رہنمائی کافی نہیں ہے

حکومت کی شکل و صورت کا تعلق چونکہ شعور کی بیداری اور حالات کی تبدیلی سے ہے، جس میں عقل و تجربہ کی رہنمائی سے بڑی حد تک کام چلتا رہتا ہے، اس بنا پر تشکیل جدید میں شکل و صورت سے نہیں بحث کی گئی، بلکہ ان بنیادی چیزوں سے بحث کی گئی ہے، جن میں عقل و تجربہ کی رہنمائی کافی نہیں ہے، اور جن کی ہر دور کی حکومت میں یکساں ضرورت رہتی ہے، مثلاً

(۱) اقتدار اعلیٰ کا تصور (۲) حکومت کی نوعیت (۳) خیر و شر کا معیار، (۴) جمالیاتی قدریں (۵) قانون سازی کا حق اور (۶) حقوق و فرائض کی تعیین وغیرہ۔

میکاولی کا نظریۂ سیاست

مغرب کی سیاست میں ایسی بلند و برتر ہستی کا تصور مفقود ہے جو ہر جہت سے کامل اور ہر قسم کی کمزوریوں سے پاک ہو، اس بنا پر چار و ناچار مذکورہ بالا چیزوں میں انسان کو رہنما تسلیم کیا گیا ہے، اور انسان نے اس سلسلہ میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، ان کا اندازہ میکاولی (Maciavelli) کے درج ذیل خیال سے ہوتا ہے جس پر مغرب کا سیاسی نظام قائم ہے، ملنچلی کہتے ہیں:۔

"میکاولی کے نزدیک قومی مملکت ہی کائنات کی اعلیٰ ترین ہستی اور انسان کی اصل غرض و غایت ہے، وہ نفس قوت کی خاطر ترقی قوت کا پرستار ہے، اس سے بحث نہیں کہ یہ قوت کس سمت میں کام کرے گی، اس کی نظر میں سلطنت نہ اخلاقی ہے

[1] Democracy in a world of Tension. P.504

اور نہ قانونی بلکہ وہ محض سیاسی ہے، اور اسی معیار سے سلطنت کے تمام کاموں کا جائزہ لینا چاہیے، اس سلسلہ میں مذہب، اخلاق اور قانون کو خاطر میں لانے کی ضرورت نہیں ہے۔[1]

دوسری جگہ اس کی رائے منقول ہے:۔

سلطنت کے قیام و بقا کے لیے "رئیس" کو اکثر اوقات معاہدوں، نیک نیتی، انسانیت اور مذہب کے خلاف عمل کرنا چاہیے۔[2]

ایک اور جگہ ہے:۔

جب ملک کی ہستی معرض خطرہ میں ہو تو انصاف اور ناانصافی رحم اور ظلم قابل ستائش اور شرمناک فعل کسی کا اطلاق نہیں ہوتا اور ان میں سے کسی کو راہ عمل میں حائل نہ ہونا چاہیے، تمام مواقع کو برطرف کرکے وہی راہ اختیار کرنی چاہیے جس سے ملک کا وجود اور اس کی آزادی قائم رہے، جو شخص اخلاق کے عام تصورات سے اپنا دامن نہیں جھاڑ سکتا اس کے لیے انفرادی زندگی ہی درست ہے، اسے حکمرانی کی جرأت نہیں کرنی چاہیے۔"[3]

انسان کی فطری کمزوریاں

تشکیل جدید میں انسان کی درج ذیل فطری کمزوریوں کا ذکر ہے، جو سب کے نزدیک مسلم اور سب کے تجربہ میں ہیں،

(۱) وہ دل کا کچا ہے

ان الانسان خلق هلوعا (المعارج) — بیشک انسان کچے دل کا پیدا کیا گیا ہے،

[1] نظریۂ سلطنت، ملنچلی ص ۲۷ و ۲۸ [2] تاریخ یورپ ص ۴۸۱ [3] تاریخ فلسفۂ جدید ج ۱ ص ۲۶۔

وہ کمزور ہے:

وخلق الانسان ضعیفا (النساء)   انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

وہ جلد باز ہے:

وکان الانسان عجولا (بنی اسرائیل)   انسان جلد باز ہے۔

وہ بے صبرا ہے:

اذا مسہ الشر جزوعا (المعارج)   جب اس کو برائی (تنگی) پہنچتی ہے تو گھبرا جاتا ہے۔

وہ بے توفیقا ہے:

اذا مسہ الخیر منوعا (ایضاً)   جب اس کو بھلائی (فراخی) پہنچتی ہے تو بے توفیقا ہو جاتا ہے

وہ جھگڑالو ہے:

وکان الانسان اکثر شیئ جدلا (الکہف)   انسان بہت زیادہ جھگڑالو ہے

وہ مال و دولت کی محبت میں سخت ہے،

وتحبون المال حبا جما (الفجر-۱)   تم مال سے جی بھر کر محبت کرتے ہو

مال و اولاد میں اس کے لیے آزمائش ہے:

انما اموالکم واولادکم فتنۃ (التغابن-۱)   بیشک تمہارے مال اور اولاد تمہارے لیے فتنہ ہیں۔

عورت اس کا سب سے کمزور پہلو ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما رأیت من ناقصات عقل   کسی زیرک مرد کی عقل سلب کرنے والا

ودین اذھب للب   تم عورتوں سے زیادہ کسی کو میں نے

الرجل الحازم من احداکن   نہیں دیکھا۔

ظاہر ہے کہ ان فطری کمزوریوں کے ہوتے ہوئے مذکورہ چیزوں میں انسان کی رہنمائی قابل اعتماد نہیں ہو سکتی، اس بنا پر تشکیل میں اللہ کی رہنمائی قبول کی گئی ہے، جو ہر حیثیت سے کامل اور ہر قسم کی کمزوریوں سے پاک ہے،

ذیل میں ہر ایک کی کسی قدر تفصیل دیجاتی ہے:

(۱) اقتدار اعلیٰ کا تصور۔   اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ ہے

مغرب میں اقتدار اعلیٰ (Sovereignty) عوام کے سپرد ہے، اس کا اثر زندگی اور اجتماع پر جو مرتب ہوتا ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے، تشکیل میں اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، جس کے سامنے جواب دہی کا تصور گوشۂ تنہائی میں بھی انسان کو ہر قسم کی زیادتی و حق تلفی سے باز رکھتا ہے، قرآن حکیم میں ہے:

وھو الذی فی السماء الہ وفی الارض الہ وھو الحکیم العلیم (الدخان-۷)   اللہ ہی آسمان میں معبود ہے اور اور زمین میں معبود ہے، وہ حکمت والا اور علم والا ہے۔

اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء (آل عمران-۳)   اے اللہ سلطنت کے مالک آپ جس کو چاہیں سلطنت دیں اور جس سے چاہیں لے لیں۔

وھو القاھر فوق عبادہ وھو الحکیم الخبیر (الانعام-۲)   اسی کا زور ہے اپنے بندوں پر وہ بڑی حکمت والا اور خبر رکھنے والا ہے،

واللہ غالب علی امرہ ولکن — اور اللہ اپنے حکم پر غالب ہے لیکن

اکثر الناس لا یعلمون (یوسف) — اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں،

الا لہ الخلق والامر تبارک — یاد رکھو اللہ ہی کا کام پیدا کرنا اور حکم کرنا ہے

اللہ رب العلمین (الاعراف۔۷) — اللہ بڑی برکت والا سارے جہان کا پروردگار ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے جیل کے قیدیوں کے سامنے ہر اقتدار کی نفی کرتے ہوئے صرف اللہ کے اقتدار کی دعوت ان الفاظ میں پیش کی تھی،

یصاحبی السجن ءارباب — اے میرے قید کے ساتھیو! ذرا غور تو

متفرقون خیر ام اللہ الواحد — کرو، متفرق معبود بہتر ہیں یا صرف اللہ

القہار — بہتر ہے جو اکیلا اور زبردست ہے،

(۲) حکومت کی نوعیت

اللہ کا اقتدار تسلیم کرنے کے بعد حکومت میں بنیادی تبدیلیاں

اللہ کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرنے کے بعد حکومت کی نوعیت میں درج ذیل قسم کی تبدیلیاں ہوتی ہیں،

(ا) اصل حکومت اللہ کی ہوتی ہے اور انسان بحیثیت نائب و امین حکومت کا حقدار بنتا ہے، قرآن حکیم میں ہے:

یاداؤد انا جعلنٰک خلیفۃ — اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں نائب بنایا

فی الارض فاحکم بین الناس — تم لوگوں کے درمیان انصاف سے حکم دو

بالحق ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن — اور خواہشات کی پیروی نہ کرو ورنہ لوگ

سبیل اللہ (ص۔۲) — تمھیں گمراہ کر دیں گے۔

وانفقوا مما جعلکم مستخلفین — خرچ کرو اس میں سے جن میں اللہ نے

فیہ (الحدید۔۱) — تمھیں خلیفہ بنایا ہے،

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا — بیشک اللہ تمھیں اس بات کا حکم دیتا ہے

الامانات الیٰ اھلھا واذا — کہ امانتوں کو اس کے اہل تک پہنچاؤ

حکمتم بین الناس ان — اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو

تحکموا بالعدل (نساء۔۸) — تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔

اس آیت کے ذیل میں حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں:۔

آیت کریمہ میں حاکموں کو خطاب ہے کہ وہ رعایا کا مکمل بندوبست کریں، دین و شریعت کے مقتضیات کا ان کو پابند بنائیں "امانت" کی ادائیگی میں یہ بھی داخل ہے کہ عہدے صرف ان کے مستحقین کو دیے جائیں۔ (الجامع فی الآیات الالٰہیہ ابن تیمیہ ص۳)

(ب) اللہ کے حکم کے مطابق حکومت شورائی طرز کی ہوتی ہے، جس کی شکل و صورت حالات اور شعور کی بیداری کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے،

قرآن حکیم میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے،

وشاورھم فی الامر (آل عمران) — معاملات میں لوگوں سے مشورہ کیا کرو

دوسری جگہ ہے:

وامرھم شوریٰ بینھم (شوریٰ ۴) — ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں

(ج) حکومت کے ہر قاعدہ و قانون میں اللہ کی حکمت عملی منعکس ہوتی ہے، یعنی باران رحمت کی طرح تنظیم و تقسیم کے قوانین اور ذرائع و مواقع سب کے لیے عام ہوتے ہیں،

ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان	بیشک اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

یہ آیت زندگی کے تمام گوشوں کی جامع ہے، کتب فقہ میں ہے:

اجمع آیۃ فی القرآن للحث علی المصالح کلھا والزجر عن المفاسد باسرھا	یہ آیت تمام مصالح کے حصول پر ابھارنے اور مفاسد پر تنبیہ کے لیے سب سے زیادہ جامع ہے۔

(د) حکومت کے ہر بود و بست میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا تصور ابھرتا ہے جس سے ذمہ داری کا احساس بڑھ جاتا ہے، اور بہت سی برائیوں سے حفاظت ہو جاتی ہے، قرآن حکیم میں ہے:

ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنہ مسئولا	بیشک کان، آنکھ اور دل ان سب کی اس سے باز پرس ہوگی،
فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ	جس شخص نے ذرہ برابر بھلائی کی اسکو دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی وہ اس کو دیکھے گا،

(ر) حکومت کا مقصد اقدار حیات کی حفاظت، برائیوں کا استیصال اور بھلائیوں کا فروغ ہے۔

الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر (الحج - ۶)	یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ان کو ہم زمین میں حکومت دیں تو نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں

(س) حکومت، قومیت و وطنیت کے تنگ دائرہ سے نکل کر انسانیت اور بین الاقوامیت کے وسیع دائرہ میں داخل ہو جاتی اور ہر شے میں عالمگیریت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی بنا پر قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان کی نسبت سے جو چیزیں بھی بیان کی گئی ہیں وہ ہر قسم کی اضافتوں اور حد بندیوں سے بلند ہیں،

(۳) خیر و شر کا معیار

خیر و شر کا معاملہ حد درجہ نازک ہے

خیر و شر کا معاملہ حد درجہ نازک ہے، اگر یہ کام انسانوں کے سپرد کر دیا جاتا تو ہوس کی نیرنگیاں خیر کو شر اور شر کو خیر میں تبدیل کرتی اور عقل کی جولانیاں اس تبدیلی کے لیے سند جواز مہیا کرتی رہتیں، چنانچہ مغربی تہذیب میں انفرادی یا اجتماعی پسند و ناپسند پر خیر و شر کا مدار ہے، پسند و ناپسند میں چونکہ برابر تبدیلی ہوتی رہتی ہے اس بنا پر ہر صبح کا خیر شام کے شر میں اور شام کا شر صبح کے خیر میں تبدیل ہوتا رہتا ہے،

تشکیل میں معیار اللہ کی کتاب ہے

تشکیل جدید میں خیر و شر کا معیار اللہ کی کتاب ہے، جو ناطق بالحق ہے اور جس کا فیصلہ آخری ہے، اس میں تبدیلی کی کسی زمانہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے،

قرآن حکیم میں ہے:

یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبٰئث (اعراف - ۱۹)	اللہ کا رسول لوگوں کو معروف (خیر) کا حکم دیتا ہے، اور منکر (شر) سے منع کرتا ہے اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتا اور گندی چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے۔

دوسری جگہ ہے :-

وتمت کلمۃ ربك صدقا وعدلا لامبدل لکلمٰتہ وھوالسمیع العلیم وان تطع اکثر من فی الارض یضلوك عن سبیل اللہ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون

(الانعام - ۱۴۲)

آپ کے رب کی سچائی اور انصاف کی باتیں پوری ہوگئیں ان میں کوئی تبدیلی کرنے والا نہیں ہے، اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے، اگر آپ ان لوگوں کا کہنا مانیں گے جو روئے زمین میں اکثریت میں ہیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے، وہ محض اپنے گمان کی پیروی کرتے اور صرف اٹکل دوڑاتے ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کے بارے میں فرمایا ہے،

ھوالفصل لیس بالھزل .... ھوالذی لا تزیغ بہ الاھواء

(مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن)

وہ حق وباطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے، وہ مذاق نہیں ہے، خواہشات اس میں کجی نہیں پیدا کرسکتی ہیں،

اقدار کی تین قسمیں

اقدار کی تین قسمیں ہیں :-

(ا) روحانی (ب) اخلاقی اور (ج) جمالیاتی

(۴) جمالیاتی قدریں زندگی اور اجتماع کے لیے جس طرح روحانی اور اخلاقی قدروں کی ضرورت ہے، اسی طرح جمالیاتی قدروں کی بھی ضرورت ہے، جمالیاتی میں حسن وجمال، لطف وکمال، توازن واعتدال اور تناسب وہم آہنگی وغیرہ شامل ہیں،

مغرب میں قدروں کے درمیان موافقت نہیں ہے

مغربی تہذیب میں ان قدروں کے درمیان کوئی موافقت نہیں، بلکہ تضاد ہے، چنانچہ جمالیاتی ذوق کے اظہار کیلئے فنون لطیفہ اور آرٹ کے ذیل میں جو شکلیں اور صورتیں تجویز ہوتی ہیں اُن میں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ "اخلاق" کا سایہ بھی ان پر نہ پڑنے پائے، روحانیت کا درجہ تو اس کے بعد کا ہے ایسی وجہ ہے کہ اس تہذیب میں فنون لطیفہ اور آرٹ کے نام سے فحشیات اور بیحیائی کی ساری شکلیں رائج ہیں، پروفیسر P.A. Sarokin (پی اے، سارو کن) جدید آرٹ کے بارے میں لکھتے ہیں،

اس نے تقریباً تمام مذہبی اور اخلاقی اقدار کو نظر انداز کر دیا ہے، کیونکہ یہ دلچسپی اور تفریح کا ایسا سامان شاذونادر ہی فراہم کرسکتے، جیسا شراب اور عورت کرسکتی ہے، جس کے نتیجہ میں یہ "آرٹ" اخلاق سے عاری، غیر مذہبی اور غیر اجتماعی ہوگیا ہے، اور بسا اوقات مذہبیت، اخلاق اور اجتماعیت کا دشمن بنکر نمودار ہوتا ہے۔[1]

فنون لطیفہ کے بارے میں کہتا ہے :-

آج ۷۰ تا ۸۰ فی صدی فلموں کی توجہ کا مرکز جنسی محبت یا جرائم ہیں، مجسمہ سازی اور تصویر میں بھی ان ہی کا غلبہ ہے، فنون لطیفہ خاکے اڑانے اور طنز و استہزا میں خاص طور پر مشغول ہیں، خدا سے لیکر شیطان تک ہر ایک کی تحقیر اور انکا مذاق اڑانا ان کا معمول ہے،[2]

تشکیل میں جمالیاتی سرچشمہ اللہ کی صفات ہیں اور اقدار کے درمیان باہمی توافق ہے

تشکیل جدید میں دوسری اقدار کی طرح جمالیاتی اقدار کا سرچشمہ بھی اللہ کی صفات ہیں (تفصیل اوپر گذر چکی)

[1] Crisis of our Age P.62-75 [2] ایضاً

جن میں باہم تضاد نہیں بلکہ توافق ہے، یعنی تینوں کو تناسب و اعتدال کے ساتھ مقررہ حد کے اندر نشو و نما کا موقع ملتا ہے،

چند آیتیں اور حدیثیں قرآن حکیم میں جمالیاتی اقدار کا ذکر ان آیتوں میں ہے:-

وصورکم فاحسن صورکم (المومن - ۶)	اس نے تمھاری صورت بنائی اور اچھی صورت بنائی،
لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (التین - ۱)	ہم نے انسان کو خوب سے خوب انداز پر پیدا کیا،
الذی خلقک فسوٰک فعدلک (الانفطار - ۱)	وہ ذات جس نے تجھ (انسان) کو پیدا کیا، درست کیا، توازن دیا۔
انا زینا السماء الدنیا بزینة ن الکواکب (الصٰفٰت - ۱)	ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت کے ساتھ مزین کیا،
انا جعلنا ما علی الارض زینة لها (الکهف - ۱)	جو کچھ روئے زمین پر ہے ہم نے اسکی زینت بنا دیا،
الذی احسن کل شئ (السجدہ ۱)	جس نے خوب بنائی جو چیز بنائی،
ولکم فیها جمال حین تریحون وحین تسرحون (النحل - ۱)	اور تمھارے لیے جانوروں میں ایک حسین منظر ہے، جب تم انھیں شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب چرانے لے جاتے ہو،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ جمیل یحب الجمال (مسلم کتاب الایمان باب تحریم الکبر)	بیشک اللہ . . . . جمیل ہے اور جمال کو وہ پسند کرتا ہے۔

دوسری جگہ ہے:-

ان اللہ طیب یحب الطیب نظیف یحب النظافة (ترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی النظافة)	بیشک اللہ پاکیزہ ہے، وہ پاکیزگی کو پسند کرتا، صاف ستھرا ہے، صفائی و ستھرائی کو پسند کرتا ہے،

ایک اور جگہ ہے:

حبب الی من الدنیا النساء والطیب (نسائی کتاب عشرة النساء)	دنیا سے مجھے عورتیں اور خوشبو زیادہ مرغوب ہیں،

ان کے علاوہ اور بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں جن سے جمالیاتی قدروں کا ثبوت ملتا ہے،

(۵) قانون سازی کا حق۔

قانون سازی کا حق اللہ کو حاصل ہے قانون سازی کے لیے دو باتوں کی شدید ضرورت ہے،

(الف) باریک بینی و ہمہ جہتی نگاہ

(ب) عظمت و تقدس کا تحفظ

اگر یہ دونوں نہ ہوں تو کوئی قانون نہ انسانی مفاد کی حفاظت کر سکتا ہے، اور نہ سرکشی گردن اس کے سامنے جھکنے کے لیے تیار ہوتی ہے، مغربی تہذیب میں قانون سازی انسان کے سپرد ہے، جو ہزار ترقی کے باوجود یہ دونوں باتیں اپنے اندر نہ پیدا کر سکا تشکیل جدید میں قانون سازی کا حق اصلاً اللہ کو ہے، جس کا قانون اس کی ہمہ جہتی نگاہ کی وجہ سے ایک طرف انسان کے مادی و روحانی مفاد کا ضامن ہے اور

دوسری اس کی عظمت و تقدس کے آگے گردنیں جھکنے پر مجبور رہوتی ہیں، قرآن حکیم میں ہے،

ان الحکم الا للہ (یوسف-۱۰)
ولا یشرک فی حکمہ احداً (الکہف-۳)
اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم
ولا تتبعوا من دونہ اولیاء
(الاعراف - ۱)
افغیر اللہ ابتغی حکما وھو
الذی انزل الیکم الکتٰب
مفصلاً (الانعام-۱۴)

حکم صرف اللہ کا ہے
اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا،
اس کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے
رب کی طرف سے اتارا گیا، اسکے علاوہ
اور دوستوں کا اتباع نہ کرو
کیا اللہ کے علاوہ کوئی فیصلہ کرنے والا
تلاش کروں، حالانکہ اس نے تمہاری طرف
مفصل کتاب اتار دی۔

قانون کی دو قسمیں ہیں

قانون کی دو قسمیں کی جاتی ہیں:-

(۱) اصلی اور (۲) ذیلی۔

"اصلی وہ ہیں جو اللہ کی طرف سے مستقلاً عمل کے لیے مقرر ہوتے ہیں، ان میں تبدیلی نہیں ہوسکتی، البتہ حالات کے لحاظ سے وقتِ ضرورت ان کے موقع و محل کی تعیین ہوتی ہے۔

"ذیلی" وہ ہیں جو قوت نافذہ کی طرف سے "اصلی" پر عمل در آمد کے لیے وقتاً فوقتاً مقرر کیے جاتے ہیں اور حالات کے لحاظ سے ان میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے،

"ذیلی" قانون کی ضرورت دو وجہوں سے ہوتی ہے،

(۱) جب معاشرتی فساد کی وجہ سے اصلی قانون پر عمل دشوار ہوجاتا ہے،

(۲) اصلی قانون پر عمل در آمد کے لیے معاشرہ کی جس قدر بلند سطح درکار ہے،

وہ موجود نہیں ہوتی۔

اصول نسخ سے مدد

وضع قانون ہو یا موقع و محل کی تعیین دونوں میں اصول نسخ سے مدد لی جاتی ہے، یعنی اس کے ذریعہ قوت نافذہ کو قانون کے نفاذ میں حالات کے لحاظ سے وہ اختیارات حاصل ہوجاتے ہیں جس کے ذریعہ دونوں کام بخوبی انجام پاسکتے ہیں، وہ اختیارات یہ ہیں:-

(۱) قانون کے نفاذ کو مقدم یا موخر کرنا (۲) اگر قانون میں عمومیت ہے تو اس میں خصوصیت پیدا کرنا (۳) اگر مطلق ہے تو اس کو مقید کرنا (۴) قانون کی وسعت کو محدود کرنا (۵) قانون سے بعض صورتوں کو مستثنیٰ کرنا (۶) قانون کے نفاذ میں کسی شرط کا اضافہ کرنا (۷) قانون کے نفاذ میں کسی صفت کا اضافہ کرنا۔

متقدمین کے نزدیک "نسخ" کے مفہوم سے ان اختیارات کا ثبوت ملتا ہے،

رفع دلالۃ العام والمطلق
والظاھر وغیرھا تارۃً اما
بتخصیص او تقیید او حمل
مطلق علی مقید و تفسیرہ
وتبیینہ حتی انھم لیسمون
الاستثناء والشرط والصفۃ
نسخاً لتضمن ذٰلک رفع
دلالۃ الظاھر وبیان المراد
فالنسخ عندھم وفی لسانھم

نسخ کبھی عام، مطلق اور ظاہر لفظ وغیرہ
کی دلالت دکھا دینے کو کہتے ہیں، یعنی
عام میں تخصیص اور مطلق میں تقیید کیجاتی ہے
یا مطلق کو مقید پر حمل کرکے اسکی تفسیر و توضیح کیجاتی
ہے، یہانتک کہ استثناء شرط اور صفت کو بھی
نسخ کہا جاتا ہے، کیونکہ انکے ذریعہ بھی ظاہر کی
دلالت اٹھادیجاتی ہے، اور مراد کو بیان کیا
جاتا ہے، سلف کی زبان میں نسخ مراد کے
بیان کا نام ہے، یہ بیان اس لفظ

هو بیان المراد بغیر ذلک — کے غیر سے بلکہ کسی امر خارج سے

بل بامرٍ خارج عنہ [1] — بھی ہوتا ہے۔

دوسری جگہ ہے:۔

هو رفع الظاهر لتخصیص — کسی تخصیص تقیید شرط یا مانع کی وجہ سے

او تقیید او شرط او مانع — ظاہری محمل کو نظر انداز کرنا عموماً

فهذا اکثر من السلف یسمیه نسخاً [2] — طور پر سلف اسی کا نام نسخ رکھتے ہیں۔

مذکورہ اختیارات ہی کی بدولت حضرت عمرؓ نے بحیثیت قوت نافذہ بہت سے اصلی قانون کے موقع و محل متعین کیے تھے، اور بہت سے نئے قوانین وضع کیے تھے جیسا ان کی فقہ سے ظاہر ہے،

اجتہاد کی جامع اصطلاح

ذیلی قانون وضع کرنے یا اصلی کا موقع و محل متعین کرنے کا حق ہر دور میں قوت نافذہ یا اس کے قائمقام جماعت (علماء) کو حاصل رہا ہے، جس سے اصلی قانون ایک طرف جمود و تعطل سے محفوظ رہتا ہے۔ اور دوسری طرف زندگی و قانون کے درمیان ربط باقی رہتا ہے، مگر اس حق کو آزادانہ استعمال کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اس کے لیے "اجتہاد" کی جامع اصطلاح موجود ہے، اسی کے دائرہ میں اس کو استعمال کی اجازت ہے، "اجتہاد" دراصل قانون کو ترقی پذیر زندگی سے ہم آہنگ بنانے کے لیے انتہائی کوشش کا نام ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اخلاق و قانون میں ربط باقی رہے، اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لیے راقم کی کتاب "فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر" اور "مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر" دیکھنا چاہیے،

(۱و۲) اعلام الموقعین فصل المراد بالنسخ عند عامۃ السلف

شہریت کے حقوق و فرائض

(۴) شہریت کے حقوق و فرائض متعین کرنے کا مسئلہ کچھ کم اہم نہیں ہے، مغرب کے نزدیک چونکہ اقدار حیات اضافی ہیں، اور ان کا سرچشمہ اور ان کے خوب و ناخوب کا معیار سوسائٹی ہے، اس بنا پر حقوق و فرائض کی تعیین کے لیے مستقل و متعین بنیادیں نہ فراہم ہوسکیں، تشکیل جدید میں حقوق و فرائض کی بنیاد اخلاقی قدریں ہیں، جو مستقل اور دائمی ہیں، اس لیے ان کے لحاظ سے ہر شہری کو بلاتفریق مذہب و ملت درج ذیل قسم کے حقوق حاصل ہیں۔

ہر انسان واجب الاحترام ہے

(۱) ہر انسان بحیثیت انسان کے لائق احترام ہے، اس میں رنگ، نسل، زبان، مذہب، حسب و نسب، غربت و امارت، پیشہ اور ذات وغیرہ کی بنا پر کوئی تمیز و تفریق نہیں ہے، حکومت کا فرض ہے کہ مختلف تدبیروں سے مذکورہ اضافتوں کی بنا پر تفریق و تمیز کی ذہنیت کو ختم کر دے۔

قرآن حکیم میں ہے:۔

ولقد کرّمنا بنی آدم (بنی اسرائیل) — ہم نے انسان کو معزز بنایا۔

ولکل درجات مما عملوا (الانعام) — ہر ایک کے درجے ان کے عمل کے لحاظ سے ہیں

ان اکرمکم عند اللہ — اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز

اتقکم (حجرات - ۲) — وہ ہے جو زیادہ متقی ہے

ہر ایک کو جان و مال اور عزت و ناموس کی حفاظت کا حق ہے

(۲) ہر شخص کا حق ہے کہ اس کے جان و مال اور عزت و ناموس کی حفاظت کی جائے،

انسانی حرمت کا مسئلہ اتنا اہم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں اس کے بارہ میں یہ تاکید فرمائی:۔

فان دماءکم واموالکم
واعراضکم حرام کحرمة
یومکم ھذا (المشکوٰۃ باب حجۃ الوداع)

آج کے محترم دن (یوم عرفہ) کی طرح
تمھاری جان و مال اور آبرو ایک
دوسرے کے لیے محترم ہیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا :۔

اموالھم کاموالنا ودمائھم
کدمائنا (نصب الرایہ ج ۳ کتاب السیر)

ان کے (غیر مسلموں) مال مثل ہمارے مال کے
ہیں اور انکی جانیں مثل ہماری جانوں کے ہیں۔

عدل واحسان کے قوانین سب کے لیے عام ہیں

(۳) عدل واحسان کے قوانین سے سب کو یکساں فائدہ اٹھانے کا حق ہے، حتیٰ کہ دشمن کے ساتھ بھی عدل کرنے کا حکم ہے،

ولایجرمنکم شنأن قوم علی
ان لا تعدلوا اعدلوا ھو
اقرب للتقوٰی (المائدہ - ۲)

کسی قوم کی دشمنی بھی تمھیں اس پر
آمادہ نہ کرے کہ تم ان سے عدل نہ کرو
ہر حال میں عدل کرو، یہ روش تقویٰ
سے زیادہ قریب ہے۔

سب کو یکساں فائدہ اٹھانے کا حق ہے

( ) کائنات کی تمام چیزوں سے سب یکساں طور فائدہ اٹھانے کے مستحق ہیں۔

ھوالذی خلق لکم ما فی
الارض جمیعا (بقرہ - ۳)

اللہ ہی ہے جس نے تم سب کے لیے زمین
کی ساری چیزیں پیدا کی ہیں۔

دوسری جگہ ہے

وجعلنا لکم فیھا معائش
ومن لستم لھم برازقین
(الحجر - ۳)

تم سب کے لیے ہم نے زمین میں زندگی
کے ساز و سامان (وسائل و ذرائع)
بنائے اور ان کے لیے بھی جن کو تم روزی
نہیں دیتے ہو۔

حکومت میں ہر ایک کو شرکت کا حق ہے

(۴) حکومت میں (بشرط صلاحیت) ہر ایک کو شرکت کا حق ہے، شورائی طرز حکومت میں اور باتوں کی طرح اس کا لحاظ بھی ضروری ہے، شوریٰ کی آیتیں اوپر گذر چکی ہیں،

حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ و بصرہ و شام کو لکھا کہ اپنے میں سے بہتر اور صاحب صلاحیت افراد کو منتخب کر کے بھیجو تاکہ انکو حکومت میں شریک کیا جائے،[۱]

اسی طرح مختلف ممالک فتح ہونے کے بعد اکثر سابق غیر مسلم افسران کو بحال رکھا گیا جن کے بارے میں علامہ مقریزیؒ کہتے ہیں کہ حکومت کا مزاج بدلنے کے بعد ان سب نے ظلم وستم کی راہیں چھوڑ دی تھیں،

فکانت جبایتھم بالتعدیل
(کتاب الخطط للمقریزی ج ۱ ص ۱۲۰)

ان افسران کی وصول تحصیل عدل
وانصاف کے ساتھ ہو گئی تھی۔

ہر شخص کو مذہب وعقیدہ کی آزادی کا حق ہے

(۵) ہر شخص کو عقیدہ، مذہب اور مسلک میں آزادی کا حق ہے۔

قرآن حکیم میں ہے :۔

لا اکراہ فی الدین
(البقرہ - ۳۵)

دین کے معاملہ میں کوئی جبر و زبردستی
نہیں ہے۔

آزادی کی مختلف شکلیں

اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مذاہب کے

[۱] کتاب الاموال باب فی تقبیل السواد و اختیار الولاۃ ص ۹۴

ماننے والوں کو آپس میں بھائی اور امت واحدہ قرار دیا:

الناس کلھم اخوۃ (مسلم و ابوداؤد) — سب لوگ بھائی بھائی ہیں۔

دوسری جگہ ہے:۔

انھم امۃ واحدۃ (سیرۃ ابن ہشام ج) — وہ سب ایک امت ہیں

والاموال لابی عبید ص ۲۰۴ و ۲۰۵)

ہر مذہب کے عبادت خانوں، عبادت کے طریقوں اور مذہبی پیشواؤں کی حفاظت کی گئی، چنانچہ یہ حکم تھا:

لا یھدم لھم بیعۃ ولا کنیسۃ ولا یمنعون من ضرب النواقیس ولا من اخراج الصلبان فی یوم عیدھم (کتاب الخراج ص ۲) — یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادتخانے نہ گرائے جائیں، یہ لوگ ناقوس بجانے اور اپنی عید کے دن صلیب نکالنے سے نہ روکے جائیں۔

دوسری جگہ ہے:۔

لا یھدم لھم بیعۃ ولا کنیسۃ وعلی ان یضربوا نواقیسھم فی ای ساعۃ شاؤوا من اللیل او نھار الا فی اوقات الصلوٰۃ وعلی ان یخرجوا الصلبان فی ایام عیدھم۔ (ایضاً) — یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادتخانے نہ گرائے جائیں، یہ لوگ رات اور دن میں جب چاہیں ناقوس بجائیں، البتہ نماز کے اوقات مستثنیٰ رہیں گے، یہ لوگ اپنی عید کے دن صلیب نکالیں۔

ہر ایک کو عبادت کے علاوہ اور دوسرے مذہبی امور کی ادائیگی کی پوری آزادی

دی گئی، ابو عبید کئی مفتوحہ ملکوں کا تذکرہ کرنے کے بعد کہتے ہیں:

فھذہ بلاد العنوۃ واقر اھلھا فیھا علی مللھم وشرائعھم (کتاب الاموال ص) — یہ تمام ممالک غلبہ سے فتح کیے گئے تھے اور ان کے باشندے اپنے مذہب اور شریعتوں پر باقی رکھے گئے تھے،

ہر ایک کے پرسنل لا اور کلچر کی حفاظت کی ضمانت دی گئی، جیسا کہ تشریح ہے۔

فھم احرار فی شھاداتھم ومناکحاتھم ومواریثھم وجمیع احکامھم (ایضاً ص ۱۴۰) — یہ لوگ اپنی شہادت کے احکام، نکاح کے معاملات، وراثت کے قوانین اور دوسرے تمام پرسنل معاملات میں آزاد ہیں۔

ہر ایک کو مذہبی تبلیغ کی پوری آزادی دی گئی، جیسا کہ اس حکم سے ظاہر ہے:

ولا یحال بینھم وبین شرائعھم[1] — ان کے اور ان کی شریعتوں کے درمیان حائل نہ بنا جائے۔

دوسری جگہ ہے:

ولا یکرھون علی دینھم[2] — انکے دین میں کسی قسم کی زبردستی نہ کیجائے۔

حکومت وعوام دونوں سے متعلق حقوق وفرائض ہیں

جس طرح ہر شہری کو مذکورہ قسم کے حقوق حاصل ہیں، اسی طرح ان کا بھی فرض ہے کہ امور خیر میں حکومت کی اطاعت اور اس کے ساتھ تعاون و خیر خواہی کریں،

اسی طرح حکومت کا فرض ہے کہ ہر شہری کے حقوق ادا کرنے میں پوری کوشش

[1] طبری جزو رابع ذکر الخبر عن وقعۃ المسلمین والفرس بنہاوند [2] طبری فتح بیت القدس

کرے، غفلت و مداہنت سے کام نہ لے، اور ان کے آرام کی خاطر خود تکلیف اٹھائے،

غرض اس تشکیل میں دونوں طرف سے حقوق و فرائض کی تعیین کر دی گئی ہے، اگر ٹھیک ٹھیک ان پر عمل درآمد کیا جائے تو حکومت اور عوام کے مسائل بڑی آسانی کیساتھ حل ہوتے رہیں، اور موجودہ خلفشار کی نوبت نہ آئے۔

اسلام کا سیاسی نظام

اس میں کتاب و سنت کی روشنی میں اسلامی سیاسی نظام کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے، اس میں کل اٹھارہ ابواب ہیں، جن میں نظریۂ خلافت مجلس تشریعی، طریقۂ قانون سازی، حقوق رعایا، بیت المال، احتساب حرب و دفاع، خارجی معاملات وغیرہ اسلامی دستور کے تمام اصولی اور سیاسی پہلو آگئے ہیں،

آخر میں اٹھارہواں باب سیاست کے غیر اسلامی تصورات و نظریات سے متعلق ہے، اس میں موجودہ مختلف سیاسی نظریات، شخصیت، آمریت، جمہوریت وغیرہ پر مختصر مگر تشفی بخش جامع بحث کی گئی ہے، جس سے مشکل ہی سے کوئی اختلاف کر سکتا ہے، سلسلۂ تصنیفات و تالیفات دار المصنفین کی بہت اہم اور قابل مطالعہ کتاب ہے۔

مؤلفہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی سابق استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

قیمت چھ روپیے۔ منیجر

عہد ہشام کا معاشی جائزہ

از جناب ڈاکٹر عبد الباری صاحب ایم اے۔ بی۔ ایل۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
لکچرر شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ہشام بن عبد الملک (۱۰۵-۱۲۵ھ) جو خاندان بنو امیہ کا دسواں خلیفہ تھا، اپنے دور کے لائق ترین مسلم حکمرانوں میں شمار ہوتا ہے، اموی سلطنت کی پرشکوہ عمارت کے تین مستحکم ستونوں میں سے ایک ہشام بھی ہے، دوسرے دو اشخاص حضرت امیر معاویہؓ بن سفیان (متوفی ۶۰ھ) اور عبد الملک بن مروان (م ۸۶ھ) ہیں،[1] خلیفہ منصور (م ۱۵۸ھ) جیسا حکمراں بھی جو بنو امیہ کا سخت ترین مخالف تھا، ہشام کی ان الفاظ میں تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا:-

"ہشام خاندان بنو امیہ کے بہترین لوگوں میں سے ایک تھا۔"[2]

ہشام نے قریب قریب بیس برس تک اموی حکومت کی سربراہی کی، اس کے عہد خلافت میں یہ حکومت تین بڑے براعظموں ایشیا، افریقہ اور یورپ میں پھیلی ہوئی تھی، جس کا ایک سرا مغرب میں جنوبی فرانس سے ملتا تھا، دوسرا مشرق میں گجرات تک وسیع تھا،

ہشام کا عہد اس لحاظ سے نہایت ممتاز ہے کہ اس نے اُس سیاسی، مذہبی،

---

[1] المسعودی: مروج الذہب ج ۳ ص ۲۲۳ [2] البلاذری: انساب الاشراف ج ۲ ص ۱۸۳

معاشی، سماجی اور علمی ڈھانچے کی معماری کا کام انجام دیا ہے، جسے اسلامی تاریخ میں سنہری دور سے تعبیر کیا گیا ہے، اس نے زندگی کے مختلف شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے، لیکن حکومت کی ترقیاتی اسکیموں کی کامیابی اور نظامِ مملکت کی کارکردگی بہت حد تک اس کے مستحکم اقتصادی نظام پر منحصر ہے، اس لحاظ سے سرکاری خزانہ کے استحکام اور اس کے دفاتر کی تنظیم میں ہشام نے بڑے کارنامے انجام دیئے، اور اموی خلفاء میں اس کی حکومت کا بجٹ نہایت مناسب اور بجدید ڈھنگ کا تھا، اموی خلفاء میں کوئی بھی حکومت کے معاملات خصوصاً عمال کے فرائض منصبی اور سرکاری دفاتر (دواوین) کی باقاعدگی کے سلسلے میں ہشام کے جیسا نگران اور محتاط نہیں تھا،[1]

منصور نے بھی جو بیدار مغز عباسی حکمران تھا، ہشام کی تقلید کی تھی، سرکاری خزانہ کے امور میں اس کی پالیسی کا بنیادی ڈھانچہ قریب قریب وہی تھا جسکی داغ بیل ہشام نے ڈالی تھی، یہاں تک کہ سکوں کا نظام بھی وہی تھا جس کی ابتدا ہشام نے کی تھی۔[2] مالیات پر ہشام کا مکمل کنٹرول، سرکاری خزانہ میں غیر معمولی اضافہ کا سبب تھا، چنانچہ جتنی دولت اس کے خزانہ میں جمع ہوئی اتنی دولت کسی دوسرے اموی خلیفہ کو نصیب نہ ہو سکی۔[3]

اب ہم اقتصادیات کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں:

(۱) **زراعت:-** حکومت کے اقتصادی نظام کا سب سے اہم پہلو اس زمانہ میں زراعت تھا، ہشام کے عہد میں زراعتی پیداوار کے خطے درج ذیل تھے،

(۱) عراق میں دریائے دجلہ اور فرات کی وادی،

[1] ابن کثیر:- البدایہ والنہایہ، جلد ۹ ص ۳۵۳ [2] المسعودی:- مروج الذہب ج ۳ ص ۲۲۳ المارودی:- الاحکام السلطانیہ ص ۱۵۰ [3] الزرکلی:- الاعلام ج ۹ ص ۸۴-۸۵

(ii) الجزیرہ میں اس وادی کا بالائی حصہ،

(iii) مصر میں نیل کی وادی،

(iv) خراسان میں دریائے جیحون (Oxus) کی وادی،

جہاں تک ان علاقوں کے تجارتی حالات اور سیاسی استحکام کا تعلق ہے عراق اور مصر سب سے زیادہ مضبوط پوزیشن میں تھے، ان سب خطوں کی زمین زرخیز تھی زرعی پیداوار کے لیے آب و ہوا بھی مناسب تھی، خود حکومت بھی زرعی ترقیاتی منصوبوں کی ہمت افزائی کرتی تھی، اس نے زرعی پیداوار کے اضافے کی بہت سی صورتیں اختیار کیں، مرکزی اور صوبائی حکومتوں اور زمینداروں نے مل کر غیر مزروعہ آراضی کو قابل کاشت اور زیادہ سے زیادہ زرعی پیداوار کے لائق بنانے کی کوششیں کیں۔[1]

حسان النبطی کے ذریعہ وادی نیل کے دارلی علاقوں اور دریائے دجلہ و فرات کے درمیان سیلاب سے متاثر علاقوں سے نئی قابل کاشت آراضی علیحدہ کی گئیں[2] لوگوں کو لگان کی بہت کم شرح پر آراضی کاشت کے لیے دیجاتی تھی، سینچائی کے لیے نہروں کا جال بچھا دیا گیا تھا جس سے پیداوار بہت بڑھ گئی تھی، حکومت کی طرف سے سینچائی کو آسان بنانے، سیلاب کو روکنے اور تجارتی و زرعی پیداوار کو بڑھانے کے لیے متعدد اسکیمیں، نہروں کی کھدائی، پلوں اور پشتوں کی تعمیر کی بروئے کار لائی گئیں، چنانچہ ہشام نے "الہنی" اور "المری" نہروں کو شہر "رقہ" کے قریب بنانے کا حکم دیا،[3] دوسری نہر "الجامع" کے نام سے

[1] مروج الذہب ج ۳ ص ۲۱۷ [2] الماوردی: الاحکام ص ۱۴۳، جرجی زیدان ج ۱ ص ۲۱۵ [3] البلاذری: فتوح البلدان ص ۱۸۷، المصعب بن عبد اللہ: نسب قریش ص ۱۴۰

کوفہ میں عراق کے گورنر خالد القسری (۱۲۶ھ) کے ذریعہ بنائی گئی[1]، اس کے علاوہ خالد القسری ہی کی تعمیر کردہ نہر "المبارک" بھی مشہور ہے[2]، ان نہروں کی تیاری میں بڑی بڑی رقمیں صرف ہوئیں، صرف "المبارک" کی تعمیر میں ایک لاکھ درہم خرچ ہوئے تھے[3]، خالد القسری کے زیر اہتمام کوفہ کا ایک پرانا پل از سرِ نو تعمیر ہوا، تاکہ سیلاب کے پانی کو روکا جاسکے[4]، اسپین کے گورنر عبدالرحمن الغافقی (۱۱۴ھ) نے بھی قرطبہ میں ایک بڑا اور حسین پل تعمیر کرایا جس کا مقصد تجارتی سامان کی نقل و حمل اور لوگوں کی آمد و رفت میں سہولتیں مہیا کرنا تھا[5]، الحر بن یوسف (۱۱۳ھ) والی موصل نے آب رسانی کے لیے ایک نہر موصل میں نکلوائی[6]، اسی طرح بلال بن ابی بردہ (م ۱۲۰ھ) نے بصرہ میں ایک نہر تعمیر کرائی[7]

تجارت کے فروغ کے لیے جدید طرز کے بازاروں کا قیام، تجارتی مراکز میں عمل میں آیا، یہ سب بازار سڑکوں کے ذریعہ دارالسلطنت سے اور خود ایک دوسرے کے ساتھ ملادیے گئے تھے، تاکہ غلہ اور دیگر اشیاء کی اندرونِ ملک آسانی سے ہوسکے[8]، سبزیاں اور ادویات کے پودے اگانے پر کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا، کسانوں کو اس کی آزادی تھی کہ وہ ٹیکس نقد کی شکل میں ادا کریں یا جنس کی صورت میں، اس سے ان کو غلہ فروخت کرنے کی زحمت سے نجات مل جاتی تھی، کسانوں کو مختلف طریقوں سے آمادہ کیا جاتا تھا کہ وہ زرعی پیداوار کے اضافے

[1] ابن الفقیہ مختصر کتاب البلدان ص ۱۸۳ [2] یاقوت الحموی معجم البلدان ج ۸ ص ۳۴۷ [3] المبرد: الکامل ج ۳ ص ۱۳۸۲
[4] ابن الفقیہ: مختصر کتاب البلدان، ص ۱۸۳ [5] الزرکلی: الاعلام، ج ۴ ص ۸۴ [6] یاقوت الحموی: معجم البلدان، ج ۸ ص ۳۳۷ [7] البلاذری: فتوح البلدان، ص ۲۹۴

میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لیں، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف وادیٔ نیل میں .... ۰۰۰،۴۰ ایکڑ (فدان) اراضی قابل کاشت بنائی گئی تھی[1]، اس طرح ہر ایک زرعی خطے کی پیداوار میں اضافہ ہوا، عراق کی پیداوار سب سے زیادہ بڑھی تھی، خالد القسری گورنر عراق نے صرف عراق کی اراضی سے ۱۳ لاکھ درہم سالانہ حاصل کیے تھے[2]،

ملک میں گیہوں اور کھجور کا استعمال سب سے زیادہ ہوتا تھا، دوسری پیداوار میں جو، چاول، گنا اور کپاس اہم تھے، ان کوششوں سے ملک غلہ کے معاملہ میں خود کفیل ہوگیا، اور ہشام کے دور میں غلہ کی کمی کبھی محسوس نہیں ہوئی،

(۲) **معدنی ذخیرے**:- معدنیات بھی حکومت کی آمدنی کا ایک ذریعہ تھے، معدنیات میں چاندی، لوہا، سلفر اور مٹی کا تیل فارس کی کانوں سے نکال کر صنعتی شہر بصرہ بھیجا جاتا تھا، سلفر اور لنڈ بلغ سے حاصل ہوتا تھا[3]، عہد ہشام میں سفید مٹی کا تیل (White Naphtha) خوزستان کے رامہرمز شہر سے اور سیاہ تیل آذربیجان سے نکالا جاتا تھا[4]، مٹی کا تیل اور تار (Tar) دجلہ کے مشرقی پہاڑوں سے بھی حاصل ہوتا تھا، تار اور سلفر بڑی مقدار میں موصل میں پایا جاتا تھا، یہاں سے عراق کے مختلف شہروں اور بندرگاہوں میں بھیجا جاتا تھا، اس کا استعمال جہازوں، کشتیوں اور حماموں میں ہوتا تھا، مٹی کے تیل اور تار (Tar) کی پیداوار میں اضافہ کے لیے اس پر کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا، موتی خلیج فارس میں الفرات کے دہانے کے قریب نکالے جاتے تھے[5]،

[1] جرجی زیدان: تاریخ تمدن اسلام ج ۱ ص ۱۰۱ [2] الجہشیاری: کتاب الوزراء ورق ۲۹ (ب) [3] الخربوطلی تاریخ العراق ص ۳۷۹ [4] الجہشیاری: کتاب الوزراء، ورق ۳۱ [5] الخربوطلی: تاریخ العراق ص ۳۶۵

اسپین کی کانیں بھی جستہ، لوہا، تانبہ، چاندی، سونا، کوئلہ اور پہاڑی نمک کا بڑا خزانہ تھیں[۱]۔ ان کے علاوہ دوسری جگہوں خصوصاً خراسان سے مختلف قسم کے پتھر، سنگ مرمر اور جواہرات حاصل کیے جاتے تھے، لوگوں کو کان کنی کی پوری آزادی تھی، حکومت صرف $\frac{1}{5}$ حصہ برآمد شدہ اشیاء کا لیتی تھی[۲]۔

(۳) **صنعت و حرفت**:- جیسے جیسے نئے شہر بستے گئے اور ان کی آبادی میں اضافہ ہوا، ضروریات زندگی کی اشیاء کی مانگ بڑھتی گئی، اس کے علاوہ اسلامی مملکت کے اندر خام اشیاء، سستے مزدوروں اور نئے بازاروں کی دستیابی اور رسل و رسائل کے لائق اعتماد ذرائع نے مختلف مصنوعات کے کارخانوں کی افزائش میں غیر معمولی مدد پہنچائی۔

(۱) کپڑے کی صنعت:- ملک مختلف علاقوں میں سوتی، ریشمی اور اونی کپڑے تیار ہوتے تھے، اس عہد کی سب سے چالو تجارت کپڑوں کی تھی، پوشاک کے معاملہ میں خلیفۂ وقت کی اعلیٰ مذاقی سے پارچہ بافی کی صنعت کو بڑی ترقی ہوئی، عہد ہشام کے کپڑے اپنی نفاست، رنگوں کی بوقلمونی اور ڈیزائنوں کے حسن و تنوع کیلئے مشہور تھے، اور اس کی نسبت سے ہشامیہ کپڑے اپنے وقت کے فیشن ایبل اور مقبول ترین پوشاک میں شمار کیے جاتے تھے،[۳] اسکے زمانہ کے اعلیٰ قسم کے کپڑے حسب ذیل تھے۔

الخز (ریشم یا ریشم و اون کے تاروں سے تیار شدہ)

القطوف (ریشمی کپڑے (Velvet))

الرقم (لکیر دار کپڑا (Variegated))

۱؎ یاقوت الحموی: معجم البلدان ج ۱ ص ۲۳ ۲؎ الصولی: ادب الکاتب ص ۱۹۸ - ۲۰۱
۳؎ المسعودی: مروج الذہب، ج ۳ ص ۲۱۷

الوشی: (ریشمی بروکیڈ مطرز)

الارمنی: (ریشمی بروکیڈ)

الدیباج: (بروکیڈ، مخمل)

ان کے علاوہ دوسری قسمیں بھی تیار ہوتی تھیں[۱]، الخز اور الدیباج اس عہد کے سب سے قیمتی اور عمدہ کپڑے تھے، جس کا سب سے بڑا صنعتی مرکز بصرہ تھا[۲]، کوفہ و بصرہ کپڑوں کے بڑے مرکز تھے، موصل بھی پارچہ بافی کی صنعت کے لیے مشہور تھا[۳]، دوسرے اہم مرکز مصر، یمن اور المشرق تھے[۴]۔

(ii) گھریلو دستکاری اور چھوٹی صنعتیں:- اس عہد میں اس قسم کے کام چھوٹے پیمانے پر انجام پاتے تھے، قالین، پردے، چادریں اور صوفہ پوش وغیرہ مختلف علاقوں میں تیار کیے جاتے تھے، الطراز (کشیدہ کاری اور زری کا کام) سب سے زیادہ شاہی محلات اور سرکاری حکام کے گھروں پر ہوتا تھا[۵]، فرنیچر اور امور خانہ داری سے متعلق لکڑی کا سامان عراق اور موصل میں تیار ہوتا تھا، شام اور عراق شیشے کے کارخانوں کے لیے مشہور تھے[۶]، شیشہ کے سامان کے لیے حلب آج تک مشہور ہے،

(iii) آتشیں سامان اور اسلحہ سازی کے کارخانے:- خلیفہ ہشام کے زمانہ میں اسلحہ سازی کی صنعت کو بھی غیر معمولی ترقی ہوئی، اور اس کی پیداوار میں بڑا

۱؎ الیعقوبی:- تاریخ ج ۲ ص ۳۲۸ ۲؎ المسعودی: مروج، ج ۳ ص ۲۱ ۳؎ الخربوطلی: تاریخ العراق ص ۳۵۸ - ۳۵۹ ۔ ۴؎ صالح احمد العلی: التنظیمات ص ۱۶۳ - ۱۶۵ ۵؎ ابن خلدون: مقدمہ ص ۲۹۳

اضافہ ہوا[1]، اسلحہ سازی کے مشہور کارخانے شام، تونس اور عراق کے علاقوں میں قائم تھے۔

(۶) جہاز سازی کی صنعت :- بحر روم کی جنگوں کی بنا پر جنگی جہازوں اور کشتیوں کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی، اس سے جہاز سازی کی صنعت میں ترقی ہوئی۔ تونس اور ٹائرس کے جہاز سازی کے کارخانے اس دور میں سب سے زیادہ مشہور تھے[2]، نقل و حمل میں کام آنے والی کشتیاں عراق اور سندھ میں سدوسان کے مقام پر تیار کی جاتی تھیں[3]۔ اس زمانہ کی کامیاب بحری مہمیں جہاز سازی کی ترقی کا ثبوت ہیں۔

(۷) عمارت سازی کی صنعت :- ہشام کے عہد میں متعدد نئے شہر آباد ہوئے، اور بڑے بڑے محلات تعمیر کیے گئے شہری آبادی کے اضافہ نے تعمیر کی صنعت کو فروغ دیا، تعمیر کے کاموں میں استعمال ہونے والی اشیا، مختلف جگہوں پر تیار کیجاتی تھیں، موصل میں "المنقوشہ" جیسے حسین محل کی تعمیر بذاتِ خود تعمیری ترقی کا ثبوت ہے[4]۔

(۴) **تجارت** (الف) ہشامی عہد میں تجارت کو بڑا فروغ ہوا، عراق میں بصرہ سب سے بڑا اور ترقی یافتہ تجارتی مرکز تھا، اس کو پوری مملکت کا تجارتی مرکز ہونے کا شرف حاصل تھا[5]۔

---

[1] حتی: تاریخ شام ص ۴۸۰؛ الخربوطلی: تاریخ العراق ص ۳۶۰؛ الزرکلی: الاعلام ج ۴ ص ۳۴۵؛ امین واصف بک: فہرست معجم الخریطۃ التاریخیۃ ص ۹۳ [2] الزرکلی: الاعلام ج ۴ ص ۳۴۵؛ مصطفی بک نجیب: حماۃ اسلام ج ۱ ص ۱۹۸؛ امین واصف بک: فہرست ص ۱۳۱؛ حتی: تاریخ شام ص ۴۸۹ [3] الخربوطلی: تاریخ ص ۳۵۸-۳۶۰ [4] ابن الاثیر: الکامل ج ۵ ص ۶۳ [5] ابن الفقیہ: مختصر کتاب البلدان ص ۳۷۶

حج کے موقع پر ہر سال حجاز تجارت کا بہت بڑا بازار بنجاتا تھا اور یہاں تجارتی لین دین اور معاہدات ہوتے تھے[1]۔

(۱) بازار (السوق) :- تجارت کی دنیا میں مارکیٹ کا وجود ضروری ہے، منظم و متوازن تجارت کا سارا دارومدار عمدہ اور مناسب بازاروں پر ہوتا ہے، انہی کے ذریعہ ہر قسم کے سامان کی کھپت ہوتی ہے۔

عہد ہشام میں صرف عراق میں پانچ عمدہ قسم کے بازار قائم ہوئے[2]، کوفہ میں خالد القسری، گورنر عراق نے ایسا بازار بنوایا جس میں تجارتی اشیاء کے لیے الگ الگ حصے تھے، دکانوں کی چھتیں پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی تھیں[3]، ایسے بازاروں کی زیادہ تفصیل تو دستیاب نہیں ہو سکی، لیکن اتنا پتہ چلتا ہے کہ ایک مرکزی بازار ہوتا تھا، جہاں ہر قسم کے تجار جمع ہوتے تھے، دوسری قسموں کے بازاروں کو مرکزی حیثیت حاصل نہیں ہوتی تھی، بلکہ مختلف چیزوں کے بازار شہر کے مختلف حصوں میں ہوتے تھے[4]، چنانچہ شہر بصرہ میں بزازوں کی دوکانیں باب عثمان کے قریب تھیں اور سبزیوں اور پھلوں کی باب المرزق کے پاس[5]، بازاروں کے نظم و نسق کی نگرانی مارکیٹ انسپکٹر کے ذریعہ ہوتی تھی جنھیں المحتسب کے نام سے پکارا جاتا تھا، اس کے مددگار "عامل علی السوق" اور "العارف" کہلاتے تھے، محتسب بازار کے بھاؤ اور ناپ تول کی بھی نگرانی کرتا تھا، اور تجارتی جھگڑوں کا فیصلہ بھی کرتا تھا؛ رات کو بازار بند ہونے کے بعد پولیس کا

---

[1] ابن الفقیہ: مختصر کتاب البلدان ص ۳۷۶ [2] تین کوفہ میں اور ایک ایک بازار بصرہ و حیرہ میں تھا [3] البلاذری: فتوح البلدان ص ۲۹۴ [4] صالح احمد العلی: التنظیمات ص ۲۳۸ [5] ایضاً ص ۲۳۹

پھرا رہتا تھا۔[1]

صالح احمد العلی کے قول کے مطابق پیشہ ور تجار کی تعداد اس زمانہ میں کافی حد تک بڑھ گئی تھی۔[2] حکومت بازار کے بھاؤ اور خصوصیت سے اجناس کے نرخ کی بڑی سختی سے نگرانی کرتی تھی، بازار کا بھاؤ عام طور پر یکساں رہتا تھا، کیونکہ زمین کا لگان نقد، جنس دونوں شکلوں میں ادا کیا جاسکتا تھا، اس سے کسانوں کو لگان کی ادائیگی کے لیے کم داموں پر غلہ نہیں بیچنا پڑتا تھا، اسکے علاوہ عام طور پر ٹیکسوں کو بڑھایا نہیں جاتا تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بیشتر اوقات اشیائے خوردنی کا بھاؤ ایک سا رہتا تھا، صرف ایک مرتبہ صوبہ عراق میں خالد القسری کی گورنری کے زمانہ میں گیہوں کا نرخ بڑھ گیا تھا، ایک "الکیلہ" (تقریباً ۵ پونڈ) گیہوں ایک درہم میں فروخت ہونے لگا تھا۔[3]

(۱۱) تجارتی بنک کاری کا نظام :- تجارت اور لین دین کی ترقی کے لیے بڑے سرمایہ کا ہونا ضروری ہے، خلفائے راشدین ہی کے عہد سے اسلامی مملکت میں پونجی پتیوں کا ایک خوشحال طبقہ موجود تھا جس سے تجارت کو بڑا فائدہ پہنچا۔[4] اسلام پونجی پتیوں کا مخالف نہیں ہے، بشرطیکہ وہ اسلام کے اخلاقی و سماجی تقاضوں کو پورا کرتے اور اپنی دولت کی زکوٰۃ نکالتے رہیں۔[5]

عہد ہشام میں اسلامی مملکت میں پونجی پتیوں کی اچھی خاصی تعداد تھی، مگر بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو پونجی کی کمی کی بنا پر کسی بڑے اور مفید تجارتی

۱ صالح احمد العلی: التنظیمات الاجتماعیۃ ص ۲۳۴، ۲۳۹، ۲۶۷ ۲ ایضاً ص ۲۳۵

۳ الطبری، تاریخ، ج ۳ ص ۲۵۷ ۴ صالح احمد العلی: التنظیمات، ص ۱۸۵ - ۱۸۹ ۵ ایضاً ص ۱۸۵ - ۱۸۶

کاموں میں حصہ لینے سے معذور تھے،

ان حالات میں تجارت کے فروغ کے لیے قرض کا نظام ضروری تھا، مگر اسلام میں سود حرام ہے۔ اس لیے تجارتی قرض کا ایک نیا نظام قائم کیا گیا،[1] جو عہد حاضر کے نظامِ بینک کاری سے مختلف تھا، اس میں سرکاری خزانہ (بیت المال) کے علاوہ دوسرے بڑے سرمایہ دار بینک کا کام دیتے تھے اور وہ سود پر قرض دینے کے بجائے تجارت میں حصہ دار ہو جاتے تھے، مرکزی اور ریاستی بینک (بیت المال) بھی کسانوں کو محدود پیمانہ پر قرض دیا کرتے تھے، اس کی سہولت بھی حاصل تھی کہ ایک شخص بصرہ کے بیت المال سے قرض لے کر اس کو حجاز کے بیت المال میں ادا کر سکتا تھا،[2]

اس طرح کے بنکوں کے ممبران مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے، قرض کی ضمانت یا رہن لکھ کر دیا جاتا تھا، رہن لینے والا رہن شدہ اشیا کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنے کا مجاز تھا، یہی وہ نفع ہوتا تھا جو بینک (پونجی پتی افراد) رہن شدہ رقم پر حاصل کرتا تھا، اس کی حیثیت سود کی نہیں تھی، بلکہ یہ فائدہ رہن شدہ اشیا کی حفاظت اور خدمت کے صلہ میں شمار ہوتا تھا۔

کچھ بنک ایسے بھی تھے، جنھوں نے مملکت کے مختلف شہروں میں شاخیں کھول رکھی تھیں، جن کا کنٹرول ہیڈ آفس کرتا تھا،[3]

لیکن قرضے کی رقمیں صرف اسلامی مملکت کے حدود کے اندر ہی دیجاتی تھیں، تاکہ وقت ضرورت قانونی چارہ جوئی کی جاسکے۔ اگر قرض خواہ قرض کی رقم

۱ صالح احمد العلی: التنظیمات ص ۱۸۷ - ۲۴۰ ۲ ایضاً ص ۲۵۴ و ۲۵۵ ۳ ایضاً ص ۲۶۵

وقت پر ادا نہ کرسکتا تو سزا دی جاتی تھی۔[۱]

اس طرح کے بینکوں کا کام ہنڈی (Bill of exchange)، ڈرافٹس اور ملکیت کے وثیقہ (Title deeds) کا اجرا تھا، اس سے یہ بڑا فائدہ تھا کہ تاجر سکوں کا بوجھ ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانے کی زحمت سے محفوظ ہو جاتے تھے، اور راہ میں لٹنے کا خطرہ بھی نہیں رہتا تھا۔[۲] کمرشیل کارکردگی مستحکم رائج الوقت سکوں کے نظام سے کنٹرول کیجاتی تھی، خلیفہ ہشام نے متعدد اصلاحات سکوں کی مستحکم اور منضبط گردش کے لیے کیں، اس عہد کے "الخالدیہ" اور "الیوسفیہ" سکے بہترین سکے شمار کیے گئے،[۳]

(iii) رسل و رسائل کے ذرائع :- رسل و رسائل کے دونوں ذریعوں بحری اور بری کی ترقی پر خاصی توجہ کی گئی تھی، اہم بازاروں کو سڑکوں اور شاہراہوں کے ذریعہ شہروں سے ملا دیا گیا تھا، مثلاً بصرہ سے مکہ معظمہ، کوفہ سے مکہ معظمہ، واسط سے بصرہ، کوفہ سے بصرہ اور واسط سے اہواز وغیرہ،[۴]

سال میں ایک مرتبہ "حج کی شاہراہ" بڑے پیمانہ پر تجارتی رسل و رسائل کے کام دیتی تھی، ہشام نے اس شاہراہ پر متعدد سہولتوں کا انتظام کر دیا تھا، جس سے مسافروں کو بڑا آرام ملتا تھا۔[۵]

بحری حمل و نقل کے لیے نہریں کام آتی تھیں، کرایہ کی کشتیاں، بھاری سامان سستے داموں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی تھیں۔[۶] اس لیے نہری نظم و نسق

۱ صالح احمد العلی: التنظیمات ص ۳۶۳ - ۳۶۴ ۲ ایضاً ص ۲۶۴ ۳ البلاذری: فتوح البلدان ص ۴۶۸
۴ الخربوطلی: تاریخ العراق ص ۳۶۵، ۳۷۷، ۳۷۸ ۵ المسعودی: مروج الذہب ج ۳ ص ۲۱۷ ۶ الخربوطلی
تاریخ العراق ص ۳۵۴

میں ترقی ہوئی، اور متعدد نئی نہریں تعمیر کی گئیں، ان ذرائع کے علاوہ حکومت نے دوسرے ذرائع بھی اقتصادی ترقی کے لیے اختیار کیے، تجارتی سامانوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و حرکت پر کوئی چنگی نہیں لیجاتی تھی۔[۱]

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ موجودہ دور کی طرح علاقہ بندی (Zonal system) کے طریقے کو نہیں اپنایا گیا تھا،

(ب) خارجی تجارت :- غیر ملکی تجارت کے نقطۂ نظر سے اسلامی سلطنت ان دنوں دنیا میں سب سے زیادہ اچھی پوزیشن میں تھی، اس کا اقتدار تجارت کے اہم اور بڑے بڑے بحری راستوں پر قائم تھا، بحر احمر اور خلیج فارس کے ذریعہ مشرقی ممالک سے تجارت کرنا بہت آسان تھا، دوسری طرف مغربی ممالک سے تجارت کے لیے بحر روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا،

شمالی علاقوں (مثلاً بلاد الخزر وغیرہ) سے تجارتی روابط بحر کیسپین کے ذریعہ قائم تھے، گو غیر ممالک سے مختلف سرحدوں پر مسلسل جنگیں باقاعدہ خارجی تجارت کی ترقی میں سد راہ تھیں، پھر بھی غیر ملکی تجارت کو فروغ دینے کے لیے متعدد اقدامات کیے گئے، خلیفہ کی طرف سے گورنروں کو بندرگاہوں کی ترقی اور بہتر انتظامات کے لیے خصوصی احکامات صادر ہوتے تھے،[۲] سندھ ہند (سندھ کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقے) اور چین سے تجارتی تعلقات کو فروغ دیا گیا،[۳] چین کو اسلامی مملکت سے قریب کرنے کے لیے ایک سفارتی وفد چین بھیجا گیا تھا،[۴]

عراق کے بندرگاہ میں روئی، ریشمی کپڑے، موتی، جواہرات، کھجوریں

۱ صالح احمد: التنظیمات ص ۱۵۱ ۲ المسعودی: مروج الذہب ج ۳ ص ۲۱۷ ۳ الخربوطلی: تاریخ العراق
ص ۳۶۹ ۴ الدکتور حسن ابراہیم: تاریخ الاسلام ج ۱ ص ۳۳۰

اور عطریات برآمد کیجاتی تھیں، لیکن برآمد شدہ اشیاء کی مقدار درآمدات سے ہمیشہ کم رہی، عراق کے درآمدات میں ناریل، کیلا، قالین، ہاتھی، ہاتھی دانت اور ادویات شامل تھیں[۱] عراق ہندوستان سے جواہرات، زعفران، لونگ گنا، صندل، ٹیک کی لکڑی اور سیاہ مرچ درآمد کیا کرتا تھا[۲]، سب سے عمدہ قسم کی مشک تبت سے منگائی جاتی تھی[۳]۔

داخلی تجارت کے مقابلہ میں بیرونی تجارت زیادہ نہ تھی، اس کمی کا بڑا سبب یہ تھا کہ کمرشیل بنک کاری کا نظام غیر ممالک میں قرضوں کی سہولت مہیا نہیں کرسکتا تھا، لیکن زرِتبادلہ کے مراکز (الصیارفۃ) غیر ملکی تجارت کو بہت مدد پہنچاتے تھے، بصرہ زرِتبادلہ کا سب سے بڑا مرکز تھا، خصوصیت سے غیر ملکیوں کے لیے، صرّاف سونے کے بدلے رائج الوقت سکے بدلا کرتے تھے، اس عہد کے بازار کے بھاؤ کے مطابق غیر ملکی تجارت چلتی تھی، درآمدات کا سب سے بڑا حصہ ہندوستان سے بصرہ کے ذریعہ حاصل کیا جاتا تھا[۴]،

ان تفصیلات سے اندازہ ہوا ہوگا کہ ہشامی عہد میں اقتصادی نظام کیسی مضبوط بنیادوں پر قائم تھا، جس کے اثرات اس عہد کی سماجی زندگی میں نمایاں تھے، چنانچہ محققین نے اندازہ لگایا ہے کہ اس زمانہ میں شخصی آمدنی کی سب سے نچلی سطح قریب دو سو درہم سالانہ کی تھی، اس رقم سے کم آمدنی والے اشخاص غربا میں شمار کیے جاتے تھے، اور انھیں صدقات دینا جائز تھا، "العطاء" (سرکاری وظیفہ) کی سب سے کم تر رقم بھی دو سو درہم سالانہ ہوتی تھی[۵]،

۱؎ الخربوطلی: تاریخ ص ۳۶۹ ۲؎ ایضاً ص ۳۸۰ ۳؎ صالح احمد العلی: التنظیمات ص ۲۶۶ ۴؎ ایضاً ص ۱۶۰ ۵؎ ایضاً ص

دوسرے وظائف اور پنشن کے علاوہ صرف "العطاء" ہی کی رقم ایک شخص کی زندگی بسر کرنے کے لیے کافی ہوتی تھی، اشیائے خوردنی میں سب سے اہم جنس کی قیمت ہمیشہ اعتدال پر رکھی جاتی تھی، گیہوں شرق اردن کے ممالک کی سب سے اہم غذا تھی، چنانچہ ہشام کے پورے عہد میں ایک "الکیلہ" (تقریباً پانچ پونڈ) گیہوں کی قیمت ایک درہم سے بھی کم رہی، صرف ایک مرتبہ ایسا موقع آیا تھا جب عراق میں ایک الکیلہ گیہوں ایک درہم میں فروخت

(الطبری: ج ۳ ص ۲۵۶)

ہندوستان کے قرون وسطی کی تاریخ کے بعض اہم ماخذ

از

جناب الطاف حسین خاں صاحب شروانی، اسلامیہ کالج، اٹاوہ

(۳)

۱۔ ملفوظات | بیسویں صدی کے ابتدائی مورخین حسبِ ذیل ذرائع سے تاریخی معلومات حاصل کرتے تھے۔

(۱) عینی مشاہدہ (۲) سماجی روایات (۳) قصائد و عام اشعار، (۴) دفاتر سلطانی (۵) سکے، منار، عمارتیں اور دیگر آثار قدیمہ، لیکن آج ان ذرائع کے علاوہ بھی ایسے مستند مآخذ دستیاب ہو گئے ہیں جن سے ہماری رنگ برنگی تہذیب کے صحیح خد و خال سامنے آتے ہیں، یہ ہیں صوفیائے کرام کے وہ ملفوظات[۱] جن میں اپنے عہد کی عکاسی نہایت غیر جانبداری سے کی گئی ہے، سلاطین دہلی اور مغلیہ دور حکومت میں صوفیائے کرام کا اثر و رسوخ عوام و خواص کے دل و دماغ پر ایسا بیٹھ گیا تھا کہ عامی سے لیکر عالم تک

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھئے: 1. Introduction, Khair-ul-Majalis Aligarh, 1959. 2. Shaik Nasir-uddin, chiragh as a great historical personality, Islamic culture April 1946 3. Malfuzat Literature of Muslim Mystics by Dr. A. D. Arshad Radiance Delhi, June 14th 1960

ان کی خدمت میں جانا باعث برکت و سعادت سمجھتے تھے، ان صوفیائے کرام کی مجالس میں جہاں آہ و بکا کی دلسوز آوازیں گونجتی تھیں، زمانے کے تغیرات پر تبصرہ بھی ہوتا تھا، اپنے احوال اور گذرے عہد کی خوبیوں اور برائیوں پر گفتگو ہوتی تھی، رنج و غم کی داستانیں سنائی جاتی تھیں، اور درد و محبت کے تذکرے ہوتے تھے، ان سبق آموز باتوں کو عقیدت مند قلمبند کر لیتے تھے۔

ان صوفیہ نے اپنا قیمتی وقت عوام کے حلقہ میں گذارا اور ہمیشہ یہ سمجھا کہ بادشاہوں کی صحبت سے ایمان کی رونق میں کمی آتی ہے[۱]، امراء تک سے تعلق رکھنا کبھی پسند نہیں کیا ہے

نے بہ نزدیک امیراں می شوند   نے بنزد خان و سلطاں می روند[۲]

درباری مورخین جن واقعات کو سیاسی مصلحت یا ذاتی اغراض کی خاطر نظر انداز کر گئے ہیں، یہ درویش اپنی مجلسوں میں ان ہی ٹوٹی ہوئی کڑیوں کو جوڑتے گئے ہیں، اور اپنے عہد کے مذہب، تمدن و معاشرت اور تاریخ و سیرت کی مکمل تصویر کھینچ دی ہے،

ان روحانی سلسلوں میں چشتیہ سلسلہ کا تعلق ہمارے ملک سے سب سے زیادہ رہا ہے، بقول مولانا سید سلیمان ندوی "اگر یہ کہنا صحیح ہے کہ ہندوستان کے ملک کو غزنین اور غور کے بادشاہوں نے فتح کیا ہے، تو اس سے زیادہ یہ کہنا درست ہے کہ ہندوستان کی روح کو خانوادہ چشت کے روحانی سلاطین نے

---

[۱] دیکھئے، حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ پروفیسر خلیق احمد نظامی، دہلی ۱۹۴۶ء ص ۱۴۲ (برہان اکتوبر ۱۹۴۶ء)

[۲] دیوان حضرت جمال الدین ہانسوی، ج اول، ص ۱۰۹ دہلی، ۱۸۸۹ء

فتح کیا ہے۔ (نقوش سلیمانی ص۳۷۳ نیز دیکھئے: (۱) تاریخ دعوت و عزیمت حصہ۳ ص ۲۲۳ (۲) سلاطین وقت اور مشائخ چشت، الفرقان نومبر ۱۹۶۲ء)

اس لیے چشتی ملفوظات ہندی قرون وسطیٰ کے بڑے قیمتی تاریخی ماخذ ہیں،
عوام کے سماجی، تمدنی اور مذہبی حالات ان ہی ملفوظات کے ذریعہ ہم
تک پہنچے ہیں، اس کے علاوہ بادشاہوں اور امراء کے ذہنی محرکات کا
اندازہ بھی ان ہی ملفوظات سے ہوتا ہے، پروفیسر خلیق احمد نظامی فرماتے ہیں:

"قرون وسطیٰ کے بیشتر ہندی مورخین ایرانی نظریۂ تاریخ سے متاثر
تھے، یہی وجہ ہے کہ اس دور کی تاریخوں میں صرف بادشاہوں کے
حالات اور جنگی مہموں کی تفصیل ملتی ہے، عوام کی زندگی اور انکے
مسائل کی کہیں کوئی جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی، ملفوظات ہمارے
تاریخی مآخذ کی اس تکلیف دہ کمی کو ایک حد تک پورا کر دیتے ہیں، ان
میں عوام کے دلی جذبات، ان کی پوشیدہ آرزوئیں، کشمکش حیات
میں ان کی ہار جیت، ان کی مایوسیاں اور پریشانیاں، ان کی
معصوم مسرتیں ــــ سب ہی محفوظ ہو گئی ہیں۔"[1]

ان ملفوظات کا مطالعہ کرتے وقت ہم کو یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ موضوع
تو نہیں ہیں، پروفیسر محمد حبیب اور پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اس سلسلہ
میں محققانہ بحث کی ہے،[2] پروفیسر خلیق احمد نظامی فرماتے ہیں:-

---

[1] ملفوظات کی تاریخی اہمیت، نذر عرشی، دہلی، ۱۹۶۶ء ص ۴ [2] تفصیل کے لیے دیکھئے:-
1. In[...] y of Islam, Vol, ii (London, 1965) P.50 (Prof. K.A. Nizami article
2. The life and time of Shaik F[...] -uddin Ganj-i-Shakar by Prof. K.N. Nizami. P.119-120. 3. Chishti mystics records of Sultanate period. By Prof M. Habib. M.I. Quarterly Aligarh.

"ملفوظات کے بہت سے مجموعے جنھیں بعض لوگ مستند سمجھتے ہیں حقیقتاً
موضوع ہیں، ملفوظات کے مطالعہ میں اصلی اور موضوع کا فرق کرنا
ضروری ہے۔"[1]

(الف) چشتیہ ملفوظات کی فہرست جنھیں محققین نے مستند قرار دیا ہے
درج ذیل ہے:-

(۱) سرور الصدور و نور البدور، ملفوظات شیخ حمید الدین ناگوری[2]
(متوفی ۱۲۷۴ء) و شیخ فرید الدین، مرتبہ شیخ عزیز (مخطوطہ)[3]

(۲) فوائد الفواد، ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء، مرتبہ امیر حسن
علاء سجزی دہلویؒ،

(۳) دُرَرِ نظامیہ، ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء، مرتبہ مولانا
علی محمود بن جاندارؒ،

(۴) خیر المجالس،[4] ملفوظات خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ،
مرتبہ حمید قلندر،

---

[1] ملفوظات کی تاریخی اہمیت، نذر عرشی، ص ۱۳۰ [2] اس نام کے ایک ہی عہد میں دو بزرگ گذرے ہیں،
ایک شیخ حمید الدین ناگوری، خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، دوسرے قاضی حمید الدین ناگوری (متوفی ۶۴۳ھ)
قاضی صاحب کا مزار دہلی میں ہے، دیکھئے معارف، دسمبر ۱۹۷۰ء اور آستانۂ زکریا، ملتان،
مارچ ۱۹۶۱ء [3] پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے اس مخطوطہ کی تصحیح کر لی ہے، لیکن ابھی شائع نہیں ہو سکا،
[4] جس سلیقہ سے پروفیسر خلیق احمد نظامی نے خیر المجالس کی تصحیح کی ہے، وہ اپنا ایک نمونہ ہے،
دیکھئے: خیر المجالس۔ مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۹ء

(۵) احسن الاقوال[۱]۔ ملفوظات شیخ برہان الدین غریبؒ، مرتبہ خواجہ حماد ابن حماد کاشانی،

(۶) جوامع الکلم۔ ملفوظات سید محمد گیسو درازؒ، مرتبہ سید محمد اکبر حسینی۔

(۷) انوار العیون فی اسرار المکنون، ملفوظات شیخ احمد عبد الحق رودولویؒ، مرتبہ شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ،

(۸) ملفوظات شیخ سلیم چشتیؒ[۲]، مرتبہ ابراہیم معصوم۔

(۹) لطائف قدوسی، ملفوظات شیخ عبد القدوس گنگوہی، مرتبہ رکن الدین دہلوی

(۱۰) احسن الشمائل[۳]۔ ملفوظات شیخ نظام الدین اورنگ آبادی، مرتبہ خواجہ کامگار خاں،

(۱۱) فخر الطالبین۔ ملفوظات شاہ فخر الدین دہلوی، مرتبہ نور الدین حسینی۔

(۱۲) نافع السالکین[۴]۔ ملفوظات خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ (متوفی ۱۸۴۹ء) مرتبہ مولانا امام الدین مرید خواجہ تونسویؒ،

۱؎ اس کا قلمی نسخہ پروفیسر محمد حبیب مرحوم علی گڑھ کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے،

۲؎ ابھی شائع نہیں ہوا، اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ محمدیہ آگرہ میں محفوظ ہے،

۳؎ اس کا قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ، شیفتہ کلکشن میں محفوظ ہے۔

۴؎ ایک قلمی نسخہ دو حصوں میں مکتوبہ ۱۸۷۰ء خاکسار نے مولانا آزاد لائبریری کے لیے خرید لیا گیا ہے۔ اس مخطوطہ کے تعارف کے سلسلہ میں دیکھئے: خاکسار کا مقالہ "فتح پور کے بعض مخطوطات اور نوادر" معارف فروری ۱۹۷۲ء۔

(ب) چشتی بزرگوں کے وہ ملفوظات جن پر بے اعتمادی[۵] کا اظہار کیا گیا ہے، مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) انیس الارواح (۲) دلیل العارفین (۳) فوائد السالکین (۴) اسرار الاولیاء (۵) راحت القلوب (۶) افضل الفوائد (۷) مفتاح العاشقین (۸) گنج الاسرار (۹) راحت المحبین،

ان موضوع ملفوظات کے سلسلہ میں سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب نے ایک طویل محققانہ مقالہ سپرد قلم کیا ہے، جس میں پروفیسر محمد حبیب کی رائے سے اختلاف کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

---

۵؎ پروفیسر محمد حبیب مرحوم نے اپنے ایک مقالہ

Chishti Mystics records of The Sultanate peiod

M. I. Quarterly, Aligarh. Oct. 1950

میں فوائد الفواد، خیر المجالس، سیر الاولیاء، سیر العارفین، اخبار الاخیار، کشف المحجوب، مصباح الہدایہ، مکتوبات یحییٰ منیری اور صحائف السلوک (مصنفہ پیش امام مولانا احمد) کو Genuene texts قرار دیا ہے، مندرجہ بالا ملفوظات پر بے اعتمادی کا اظہار کیا ہے، نیز دیکھئے: مقدمہ، خیر المجالس، بتصحیح پروفیسر خلیق احمد نظامی، علی گڈھ ۱۹۵۹ء، اس موقع پر سید حسن عسکری (پٹنہ) کا مقالہ "سلاطین دہلی کے عہد کے مشائخ کے ملفوظات کی تاریخی اہمیت" بھی پڑھنے کے لائق ہے، یہ مقالہ مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس منعقدہ دہلی ۱۹۶۴ء کے اجلاس میں پڑھا گیا۔ معارف فروری ۱۹۶۴ء ص ۱۳۹،

"بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملفوظات کے ہر مجموعہ کے مرتب کی یہ خواہش غالب
رہی کہ اس کا مجموعہ اتنا اہم سمجھا جائے کہ اس کے پیشرو کے مجموعوں کی اہمیت
کم ہو جائے، اس لیے وہ اپنے مرشد کی زبانی کوئی نہ کوئی ایسی روایت
بیان کر دیتے جس سے پہلے کے مجموعوں کی اہمیت خواہ مخواہ گھٹ کر رہ جاتی۔"[۱]
آگے چل کر فرماتے ہیں :۔

"یہ ملفوظات اب تک نہایت لاپرواہی سے چھپتے رہے، لیکن ان کو
محنت سے ایڈٹ کیا جائے اور ان میں سنین اور اسماء کی جو غلطیاں
ہیں، ان کی نشاندہی ہمدردانہ طور پر کر کے درست کر دی جائیں
تو یہ قدیم العہد ماخذ کے طور پر احتیاط سے استعمال کیے جا سکتے ہیں،
جیسا کہ عہد ماضی میں بھی اہل قلم کرتے رہے ہیں۔"[۲]

چشتیہ خانوادوں کے مستند اور موضوع ملفوظات کے علاوہ دوسرے خانوادوں میں سہروردیہ، فردوسیہ
قادریہ، شطاریہ اور نقشبندیہ ملفوظات بھی ہمارے قیمتی تاریخی ماخذ ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) اسرار المخدومین، ملفوظات خواجہ کرک سہروردی (متوفی [illegible])
مطبوعہ فتح پور ۱۸۹۳ء،

(۲) سراج الہدایۃ، ملفوظات حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت،[۳]

۱ معارف، اکتوبر ۱۹۶۲ء ص ۲۵۳ ۲ ایضاً، دسمبر ۱۹۶۲ء ص ۴۲۶۔

۳ Collection of Malfuzat of Makhdum-i-Jahanian (1307-88)

۴ fuch Proceeding of the Pakistan history conference Karachi, 1951.

(۳) معدن المعانی۔[۱] ملفوظات حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ، مرتبہ
مولانا زید ابن عربی،

(۴) بحر الحقائق[۲]۔ ملفوظات حضرت شیخ وجہ الدین علوی گجراتی۔

۲۔ مجموعہ مکتوبات ہندی قرون وسطیٰ کے تاریخی ماخذ کے سلسلہ میں صوفیائے کرام
کے مکتوبات بھی ایک خاص مقام رکھتے ہیں، اور قرون وسطیٰ کے سماجی اور
اور مذہبی حالات کی صحیح عکاسی کرتے ہیں، اس لیے ان مکتوبات کو کسی طرح
بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔[۳] ان خطوط میں ان بزرگان دین نے سماج
کے ہر طبقہ کو مخاطب کیا ہے، اور بادشاہوں، امیروں، عالموں، درویشوں
اور عوام سب کو ان کے غلط کردار پر جھنجھوڑا ہے، ان کے عیوب گنائے
ہیں، ان کو نصیحتیں کی ہیں، زندگی کی تلخ حقیقتوں سے آگاہ کیا ہے، اور نیکیوں
کی تلقین کی ہے، ان خطوط کو پڑھنے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ بزرگ اپنے
زمانے کے بڑے نباض تھے، دکھ درد کا تجزیہ بھی کرتے تھے، اور اس کا علاج
بھی بتاتے تھے، خواص سے محاسبہ بھی کرتے تھے اور غرباء کے زخموں پر مرہم
بھی لگاتے تھے، اس سلسلہ میں چند مجموعۂ مکتوبات کے نام یہ ہیں:

(۱) مکتوبات حضرت شیخ بو علی قلندر بنام اختیار الدین[۴]، (۲) مکتوبات
حضرت شرف الدین یحییٰ منیری (۳) مکتوبات حضرت نور قطب عالم[۵] (۴)، مکتوبات

۱ دیکھیے: معارف، فروری ۱۹۵۷ء ۲ دیکھیے: معارف، جون ۱۹۵۰ء

۳ تفصیل کیلئے دیکھیے: Ency of Islam, Vol II, P 50 ۴ اخبار الاخیار، ص ۱۲۱

نیز دیکھیے خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۲۷ ۵ اذکار ابرار، ترجمہ گلزار ابرار، ص ۱۰۴

سید محمد اشرف جہانگیر سمنانیؒ (مخطوطہ) (۵) مکتوبات شیخ احمد سرہندی
(۶) مکتوبات خواجہ معصوم نقشبندیؒ (۷) بحرالمعانی[1]۔ (مکتوبات حضرت خواجہ محمد نور)
(۸) مکتوبات قدوسی (حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ[2])
(۹) مکتوبات شیخ حسام الدین مانکپوریؒ (۱۰) مکتوبات شاہ محب اللہ
الہ آبادیؒ (مخطوطہ) (۱۱) مکتوبات شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ[3]
(۱۲) مکتوبات شاہ کلیم اللہ دہلویؒ (۱۳) مکتوبات مرزا مظہر جانجاناںؒ

۳۔ فارسی تذکرے | صوفیائے کرام کے تذکروں سے بھی اسلامی ہند کے
مستند حالات دستیاب ہوتے ہیں، آج کا مورخ ان تذکروں سے اس
عہد کے عوام کے مذہبی رجحانات سے آگاہ ہوتا ہے، اور اس کا بھی
اندازہ ہوتا ہے کہ ان ایام میں یہ بزرگ ایک نئے ماحول میں کس طرح
اپنی زندگی گذارتے تھے، اور ان کی رواداری اور انسان دوستی
کی بدولت اس اجنبی ماحول میں ان کی کتنی قدر و منزلت تھی[4]، بقول
مولانا عبدالحق "انھیں مرے صدہا سال گذر چکے ہیں، مگر جن مقامات پر انکے
قدم پڑے تھے، وہ ابتک "شریف" اور "مقدس" کے نام سے یاد کیے جاتے
ہیں[5]، ان کے معاصرین اور عقیدتمندوں نے ان کے تقدس کا بڑے والہانہ
انداز میں تذکرہ کیا ہے،

۱؎ تفصیل کے لیے دیکھئے: رسالہ اردو، علی گڈھ، شمارہ ۳ بہ ۱۹۶۱ء ۲؎ مرات الکاملین (مخطوطہ ذاتی کلکشن)
۳؎ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے انکے سیاسی مکتوبات کو ایڈٹ کر کے شائع فرمایا ہے جو ایک آپ اپنا نمونہ ہے
۴؎ دیکھئے (۱) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" مصنفہ سید ابوالحسن علی ندوی ص ۳۴۲-۳۵۲
(۲) تاریخ مشائخ چشت ص ۱۰
۵؎ اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ ص ۵۱

(۱) امیر خسرو فرماتے ہیں :-

همه شیطاں کش و فرشته خدم　　در رهش بر هوا نهاده قدم
زنده دار شب از دم تسبیح　　غلغل افگنده در رواق مسیح
هر سو از شین شرع ساخته تاج　　دل شاں عرش و سجده شاں معراج[1]

(۲) حضرت جمال الدین ہانسویؒ کے جذبات ملاحظہ ہوں :-

ایں طائفه گلیم پوشاں　　بے زحمت تاج و تخت شاہند
گرچه حشم و خدم ندارند　　با جامهٔ ژنده بادشاہند[2]

(۳) شیخ جمالی فرماتے ہیں :-

فی الحقیقت ہمچو خورشید سپہر　　بر جہاں انداختی انوار مہر[3]

اب ہم ان ہندوستانی تذکروں کو پیش کرتے ہیں جن سے ہندی
قرون وسطیٰ کے متعلق قیمتی اور مستند معلومات حاصل ہوتے ہیں:
(۱) سیرالاولیاء، امیر خورد (۲) لطائف اشرفی[4]، مرتبہ
نظام الدین یمینی (۳) سیرالعارفین۔ مولانا جمالی (۴) اخبار الاخیار
شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، (۵) گلزار ابرار، محمد غوثی شطاری
(مخطوطہ[5]) (۶) اخبار الاصفیاء، عبدالصمد بن افضال محمد (مخطوطہ

۱؎ مثنوی ہشت بہشت، امیر خسرو (نولکشور، لکھنؤ) ص ۱۳ ۲؎ دیوان جمال الدین
ہانسوی ج ۱ ص ۵۰ ۳؎ سیرالعارفین ص ۱،۲ ۴؎ لطائف اشرفی میں صوفیہ کے تذکرے بھی ہیں،
۵؎ یہ قدیم ترین تذکروں میں شمار کیے جانے کے قابل ہے، دیکھئے: معارف ستمبر ۱۹۶۸ء ۵؎ اسکا اردو ترجمہ
اذکار ابرار کے نام سے آگرہ سے شائع ہوا ہے۔

(۷) مراۃ الاسرار، عبد الرحمن چشتی (مخطوطہ) (۸) مجمع الاولیاء، میر علی اکبر حسینی آردستانی۔ (۹) سیر الاقطاب، شیخ اللہ دیا چشتی (۱۰) جواہر فریدی۔ علی اصغر چشتی (۱۱) معارج الولایت۔ غلام معین الدین عبد اللہ (۱۲) مطلوب الطالبین، محمد بلاق چشتیؒ (مخطوطہ) (۱۳) روضۃ الاقطاب، محمد بلاق چشتیؒ (۱۴) مناقب الاصفیاء، حضرت مخدوم شاہ شعیب[۱]۔ (۱۵) سفینۃ الاولیاء، دارشکوہ (۱۶) خزینۃ الاصفیاء غلام سرور (۱۷) ذکر الاصفیاء معروف تکملہ سیر الاولیاء، خواجہ گل محمد احمد پوریؒ (۱۸) مرات الکاملین[۲]، عباد اللہ خواجہ عنایت اللہ کالپوی (مخطوطہ ذاتی کلکشن)

[۱] تفصیل کے لیے دیکھئے: معارف مارچ ۱۹۶۵ء [۲] تعارف کے سلسلہ میں دیکھئے؛ مقالہ "فتح پور کے بعض مخطوطات اور نوادر"۔ معارف فروری ۱۹۶۲ء

بزم صوفیہ

یعنی تیموری عہد سے پہلے کے صاحب تصنیف اکابر صوفیہ مثلاً حضرت شیخ ابو الحسن ہجویری خواجہ معین الدین چشتی، حضرت خواجہ بختیار کاکی۔ قاضی حمید الدین ناگوری، شیخ بہاء الدین زکریا، خواجہ فرید الدین گنج شکر، محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء، شیخ بو علی قلندر، حضرت محمود چراغ دہلوی حضرت شیخ شرف الدین یحیٰی منیری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت، سید اشرف جہانگیر سمنانی، سید محمد گیسو دراز وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے حالات و تعلیمات و ارشادات کی تفصیل خود ان کے ملفوظات اور تصنیفات کی روشنی میں۔ اس اڈیشن میں شیخ احمد عبد الحق توشہ ردولوی کے حالات کا مستقل اضافہ ہے۔

قیمت ۱۴ روپے ۵۰ پیسے

منیجر

مقالہ نما

مضامین الندوہ

از مولوی سلمان صاحب شمسی ندوی

(۷) دینی مباحث

آزاد۔ ابو الکلام — فروری ۱۹۰۶ء

القضاء فی الاسلام — ص ۲۴ - ۳۲

حوالہ ۲۷۹/۲

اسلام دین و دنیا کا جامع ہے، اس لیے اس کے مجموعۂ تعلیم میں اعتقادات و عبادات کے ساتھ معاملات کا بھی مکمل حصہ موجود ہے، لیکن مخالفین کا دعویٰ ہے کہ اسلام آخری حصہ سے تہی دست تھا، اس لیے رومن لا کی دریوزہ گری کر کے اس کمی کو پورا کیا گیا۔ اس مضمون میں ہم قانون کے حصۂ قضاءت سے بحث کرنا چاہتے ہیں، اور دکھلانا چاہتے ہیں کہ بانیٔ اسلام نے کس جامعیت سے اس مسئلہ پر نظر ڈالی اور کس خوبی سے اس کے قواعد مرتب کیے،

۱۔ ابو الحسن علی ندوی (سید) — دسمبر ۱۹۴۱ء

"اعجاز القرآن" — ص ۱۱ - ۲۷

حوالہ ۲۸۰/۲

قرآن کا امتیاز خصوصی اور اس کے اعجاز کا راز یہ ہے کہ وہ اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے اور حقیقت میں وہ اس کے علم خاص کا ایک مظہر ہے۔ اس لیے اس میں انسان اپنے ظنی اور مشتبہ، ناقص و محدود اور خدا کے بخشے ہوئے علم کے ساتھ کیا مقابلہ کرسکتے ہیں، جس طرح خدا کی اور صفات میں انسان مماثلت نہیں کرسکتا، اسی طرح وہ خدا کے علم میں بھی کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔

۲۔ "قرآن کا تعارف قرآن کی زبان سے"　　جنوری ۱۹۴۱ء

ص ۴ - ۱۶

حوالہ $\frac{۲۸۰}{۳}$

"اعجاز القرآن سے متعلق متفرق آیات کو جمع کر کے ان کی تفسیر کی گئی ہے"

۳۔ قرآن کی پیشین گوئی　　مئی ۱۹۴۱ء

ص ۵ - ۱۷

حوالہ $\frac{۲۷۹}{۲}$

قرآن مجید کا ایک اعجاز پیشین گوئیاں ہیں ...... جن حالات میں یہ پیشین گوئیاں کی گئی ہیں اور جس طرح ان کا ظہور ہوا وہ ایک معجزہ ہے"۔

سورہ روم کی روشنی میں بحث کی گئی ہے،

۴۔ قرآن مجید سے استفادہ کے شرائط و موانع　　نومبر ۱۹۴۱ء

ص ۹ - ۲۵

حوالہ $\frac{۲۸۰}{۲}$

قرآن مجید کا خطاب سب سے یکساں ہے، لیکن اس کو قبول کرنے اور اس سے مستفید

ہونے کی صلاحیت سب کی یکساں نہیں ہوتی، چیز ایک ہے، لیکن اس کے انسانی ظرف اور محل باہم متفاوت ہیں"۔

۵۔ رسالت　　اگست ۱۹۴۱ء

ص ۹ - ۲۰

حوالہ $\frac{۲۸۰}{۲}$

پیغمبروں کو اپنے علم کے یقینی اور قطعی ہونے کا دعویٰ ہے، وہ صرف یہ نہیں کہتے کہ خدا ہے یا اس کے یہ صفات ہیں، بلکہ وہ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اسکی باتیں سنتے ہیں، ہم اس سے ہم کلام ہوتے ہیں، ہمارے پاس اس کے پیغام پہنچتے ہیں ہمارے پاس اس کے فرشتے آتے ہیں،

۱۔ اسحٰق محمد پشاوری　　مارچ ۱۹۴۲ء

"احتساب اسلام میں"　　ص ۱۸ - ۲۵

حوالہ $\frac{۲۸۰}{۳}$

پہلی صدی کے بعد جب لوگ اعمال میں تساہل برتنے لگے اور نگاہیں حق شناسی کی روادار نہ رہیں تو حکومت کی طرف سے احتساب کا شعبہ قائم ہوا جس میں مختلف کارکن ہوتے تھے، جو مختلف خدمتوں پر مامور تھے، یہ محکمہ ادارۂ قضاۃ کے بالکل مشابہ تھا،

۱۔ اکرام اللہ خاں ندوی　　مئی ۱۹۱۶ء

"غلامی اور اسلام"　　ص ۱۶ - ۲۵

حوالہ ۲۸۶

مضمون میں مخالفین مذہب کے اس الزام کی تردید کی گئی ہے کہ اسلام نے

غلامی کو ختم نہیں کیا اور برقرار رکھا، مذاہب کا جائزہ لیا گیا اور اسلام میں غلاموں کے ساتھ جو حسن سلوک کی تاکید کی ہے، اسے بھی مع واقعات ذکر کیا ہے، نیز اسلام میں غلاموں کے حقوق پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۔ قرآن مجید اور معارضہ — فروری ۱۹۱۵ء

ص ۹ - ۲۲

حوالہ ۲۷۹/۱۱

قرآن مجید کے موضوع معارضہ اور تحدی سے بحث کی گئی ہے، جس سے اعجاز قرآن پر روشنی پڑتی ہے۔

۳۔ ہمارا نصب العین — اکتوبر ۱۹۱۵ء

ص ۲۹ - ۳۲

اسلامی نصب العین اور مسلمانوں کے فرائض و واجبات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

حمید الدین فراہی، (مولانا حمید الدین فراہی صاحب تفسیر نظام القرآن)

"قرآن مجید میں خدا نے قسمیں کیوں کھائیں" — اپریل ۱۹۰۶ء

ص ۲۲ - ۳۲

حوالہ ۲۷۹/۳

قرآن مجید میں جہاں جہاں قسم کا لفظ آیا ہے، پہلے معنی کے لحاظ سے آیا ہے، جب خدا اپنی قدرت و شان کا اظہار کرتا ہے تو آفتاب کی، چاند کی، ستاروں کی، دن کی رات کی قسم کھاتا ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ یہ تمام چیزیں اس کے وجود اور عظمت کی گواہی دے رہی ہیں۔

زکی ۔ احمد زکی بک — جون ۱۹۰۹ء

اسلامی غزوات — ص ۲۹ - ۳۲

حوالہ ۲۷۹/۹

اسلام کے دشمن کہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کی جنگی مہمات اس امر کا ثبوت ہیں کہ اسلام نے محض تلوار کے سایہ میں اشاعت پائی ہے، لیکن ہر ایک منصف نظر شخص ان لڑائیوں کی صحیح تاریخ پڑھنے سے معلوم کر سکتا ہے کہ ان تمام غزوات اور لڑائیوں کا اصل سبب اشاعت اسلام کا جوش نہ تھا۔

۱۔ سلیمان ندوی (سید علامہ) — ستمبر ۱۹۱۱ء

الاحتساب فی الاسلام — ص ۵ - ۲۳

حوالہ ۲۷۹/۸

محکمۂ احتساب اسلام کا وہ عظیم الشان اور روشن ترین کارنامہ ہے جس کی نظیر دنیا کا کوئی مذہب، کوئی تمدن، کوئی سلطنت پیش نہیں کر سکتی۔ یہ دعویٰ محتاج دلیل ہے، اس کی دلیل ناظرین مضمون کے خاتمہ پر پائیں گے۔

۲۔ ارض القرآن — اگست ۱۹۱۵ء تا نومبر ۱۹۱۵ء

حوالہ ۲۸۵

قرآن مجید میں بیس، تیس اقوام و اشخاص سے زیادہ نہیں تاہم انکی تحقیق کے لیے مخصوص طور سے کبھی کوشش نہیں کی گئی، عموماً یہ مباحث تفسیر کے ضمن میں لکھے گئے، یا تاریخ عمومی میں مقدمہ کے طور پر مذکور ہوئے، حالانکہ اس اہمیت تخصیص و افراد کی محتاج تھی۔

(کتاب سے اقتباسات)

۳۔ اسلام اور تمدن — فروری ۱۹۰۹ء

ص ۱۱ - ۳۲

حوالہ ۲۷۹/۶

ایک فرانسیسی فاضل میسو رنیا میلیا کے لکچر کا ترجمہ جو اس نے پیرس کانفرنس میں دیا تھا، جس میں اسلامی تمدن کی برتری ثابت کی گئی ہے،

۴۔ اسماء القرآن یعنی قرآن مجید کے نام اور انکے متعلق تحقیقات — اگست ۱۹۱۱ء

ص ۶ - ۳۰

حوالہ ۲۰۹/۸

مندرجۂ ذیل عنادین سے بحث کی گئی ہے،

نام کی ضرورت، دیگر صحف انبیاء کے نام، الہامی کتابوں کے نام الہامی ہوئے ہیں، کثرت اسماء القرآن، قرآن مجید کے عام نام، قرآن مجید کے مخصوص نام وغیرہ

۵۔ اشتراکیت اور اسلام — مئی ۱۹۱۱ء

ص ۳ - ۲۴

حوالہ ۲۷۹/۴

نظریہ اشتراکیت کا جائزہ اور اسلام سے موازنہ کیا گیا ہے،

۶۔ برنابا کی انجیل — اکتوبر ۱۹۰۷ء

ص ۲۳ - ۳۰

حوالہ ۲۷۹/۴

لوقا، متی، مرقس، یوحنا کی انجیلوں کے سوا عیسائیوں کے یہاں ایک اور انجیل ہے جس کا نام برنابا کی انجیل ہے۔ عیسائی اس کو اصل انجیل نہیں سمجھتے۔ ان کے پاس اس دعوٰی کی صحت کی دلیل اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اس انجیل میں اسلام کی ہر جگہ تائید ہو اور ہمارے نزدیک یہی امر اس کی صداقت کا ثبوت ہے،

۷۔ تاریخ ارض القرآن کا ایک باب — جنوری ۱۹۱۵ء

ص ۷ - ۳۶

حوالہ ۲۸۵

ارض القرآن کی پہلی جلد کا اقتباس جس میں اصحاب ایکہ، مکہ اور جدہ کے حالات لکھے گئے ہیں،

۸۔ تحریم شراب — اکتوبر ۱۹۰۹ء

ص ۱۵ - ۲۴

حوالہ ۲۷۹/۹

جس طرح اسلام اور اس کے احکام فطری ہیں، اسی طرح اس کا طریقہ تعلیم بھی فطری ہے، اس نے اپنے متبعین کو شراب کی حرمت کا مسئلہ بالکل تدریجی طور سے بتایا تاکہ عرب آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ اپنی اس قدیم اور راسخ عادت کو چھوڑ سکیں،

۹۔ جنگِ احد — ستمبر ۱۹۰۹ء

ص ۱۹ - ۲۹

حوالہ ۲۷۹/۹

جنگِ احد کے واقعات سے اسلامی غزوات کے اسباب، مسلمانوں کی جنگی حفاظت، مسلمان مجاہدوں کی بے سروسامانی، مسلمانوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقلال، صحابہ کی بہادری، مسلمان عورتوں کی شجاعت اور ان کی مذہبی خدمت گذاری، مسلمان شہدا، کا ایمان صادق اور مشرکین کی سنگدلی کے حالات تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں۔

۱۰۔ سود اور صحفِ انبیاء　　جون ۱۹۰۹ء

ص ۲۱ - ۲۸

حوالہ ۲۷۹/۶

جائزہ لیا گیا ہے کہ گذشتہ صحف میں سود حرام قرار دیا گیا، تاریخی حقائق واقعات کو ذکر کیے گئے ہیں، اور آخر میں قرآن مجید کی آیات حرمت کی تفسیر پیش کی گئی ہے،

۱۱۔ سیرت کا مختصر پیام　　مئی ۱۹۳۰ء

ص ۳ - ۱۲

حوالہ ۲۸۶

سیرت پر لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے ایک نشری تقریر،

۱۲۔ صحابہ کی تعداد اور طبقات روایت　　اگست ۱۹۰۹ء

ص ۴ - ۱۴ حوالہ ۲۷۹/۶

علامہ ذہبی کی رائے کے مطابق ان ایکسو پانچ صحابیوں میں سے اٹھائیس (۲۸) صحابہ ایسے ہیں جنکے نام سے علم حدیث کے اکثر صفحات مزین ہیں، ان اٹھائیس (۲۸) صحابیوں میں سے ...... نام کی تفصیل کے ساتھ ۶ صحابہ سب سے زیادہ کثیر الروایات ہیں،

۱۳۔ القرآن والفلسفۃ المحدثیۃ　　جولائی ۱۹۰۶ء

ص ۲۱ - ۳۰

حوالہ ۲۷۹/۳

اسلام دنیا میں پہلا مذہب ہے جس نے اپنے مسائل کی بنیاد عقل پر رکھی، قرآن مجید کا طرز تعلیم دیکھو کہ اس نے اپنے پیرووں کو جہاں کسی مسئلہ کی تلقین کرنی چاہی، اس کی دلیل بھی بیان کر دی ہے، تتبع سے ایسی بہت سی حدیثیں اور آیتیں مل سکتی ہیں جن میں یہ صاف صاف کہا گیا ہے کہ مذہب کو عقل سے ماننا چاہیے،

۱۴۔ قیامت　　ستمبر ۱۹۰۹ء

ص ۹ - ۱۹ ۔ حوالہ ۲۷۹/۶

حوالہ ۲۷۹/۶

عقائد کے اکثر مسائل ایسے ہیں جنکے ثبوت اور طرز ثبوت میں اسلام کے مختلف فرقے مختلف الرائے ہیں، لیکن ابن حزم نے ملل میں لکھا ہے کہ قیامت کے اعتقاد پر کل فرقہائے اسلامیہ کا اتفاق ہے، لیکن یورپ، یونان اور ہندوستان کے اکثر حکما، کو قیامت اور فنائے عالم سے انکار ہے،

۱۵۔ مذہب اسلام اور علم وعقل　　جولائی ۱۹۱۱ء

ص ۵ - ۱۸

حوالہ ۲۷۹/۸

اس مذہب نے اپنے زور اور قوت کے موافق علم اور تحقیقات جدیدہ کی مخالفت کی، عقل کو آگ اور تکفیر کے ہتھیار سے سزا دی لیکن نہ رکنا تھا نہ رکی

نہ مٹا سکتی نہ مٹی اور خود اس کو ہٹا کر اور مٹا کر رہی، مذہب کے یہی مطالب ہیں
جن میں اس نے اپنے خصوصیات سے باہر قدم رکھا، اور آخر حکمائے یورپ نے
یہ فیصلہ کر دیا کہ مذہب اور علم دو منافی چیزیں ہیں، جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں

۱۶ مسئلہ ارتقاء اور قرآن مجید جنوری ۱۹۰۸ء

ص ۱۹ - ۱۶

حوالہ ۲۷۹/۴

مسئلہ ارتقاء کا پہلا حکم یہ ہے کہ انسان دفعۃً پیدا نہیں ہوا، بلکہ چند مرحلوں میں
انسان اپنی اس آخری منزل تک پہنچا ہے، جماد سے نبات ہوا، نبات سے حیوان
اور حیوان سے انسان، قرآن مجید کی بہت سی آیتیں انسان کے چند دوروں میں
پیدا ہونے کو ثابت کرتی ہیں۔ (باقی)

مکتوب حمید

پالیس ۔ ۲۳ر اگست

مخدومی! زاد مجدکم سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ

تہذیب جدید کا کرشمہ ہے کہ مئی ۱۹۶۲ء کا رسالہ معارف اب اگست کے آخر میں آیا ہے
اس میں امیہ بن ابی الصلت پر مقالہ شوق سے پڑھا، اگرچہ آخر میں "باقی" لکھا ہے لیکن
اس کا کسے یقین کہ اسے دیکھنے کا موقع ضرور ملے گا، اسی لیے وہ چیزیں جو ذہن میں
گزریں، فوراً عرض کرتا ہوں،

مقالہ کے شروع ہی میں (یعنی صفحہ ۳۲۵ کے حاشیے میں) لکھا ہے کہ زید
ابن عمرو بن نفیل "بعثت نبوی سے ۵، سال پہلے ہی مرگیا" کیا ہندسے میں طباعتی
غلطی ہے؟ یا مقالہ نگار نے تحقیق کے بعد لکھا ہے؟

بعثت نبوی چالیس سالہ عمر میں ہوئی، لہذا امیہ کو ولادت باسعادت نبوی
سے پینتیس سال پہلے مرچکا ہونا چاہیے، لیکن میرے سامنے اس وقت الروض الانف
للسہیلی (طبع اول) ہے، اس میں جلد اول کے صفحہ (۱۴۶) پر ہے

روی البخاری عن ..... ان	امام بخاری نے فلاں فلاں سے
النبی صلی اللہ علیہ وسلم	روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے
لقی زید بن عمرو بن نفیل	بلدح [پہاڑ] کے زیریں حصے میں
بأسفل بلدح قبل ان	زید سے ملاقات فرمائی اور اس
ینزل علی النبی علیہ السلام	وقت تک آپ پر وحی نازل

الوحی ..... الخ نہ ہوئی تھی ..... وغیرہ

اسی طرح سیرۃ رسول اللہ لابن ہشام میں ہے (طبع یوروپ) اس کے صفحہ (۱۴۸ تا ۱۴۹) پر اس کی موت کے ذکر میں ہے کہ وہ دین حق کی تلاش میں موصل تک گیا، پھر شام آیا تو میفعہ کے مشہور راہب نے اس سے کہا: "تو اسے یہاں کہاں ڈھونڈھ رہا ہے، وہ تو تیرے ہی ملک میں مبعوث ہوگا، اور اب اس کا وقت آچکا ہے۔ اس پر وہ تیزی سے مکہ واپس ہوا، مگر راستے میں قبیلۂ لخم کے لٹیروں نے اسے مار ڈالا ــــ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زید کی وفات بعثت نبوی کے بعد ہوئی،

دوسرا قابل توجہ امر یہ ہے کہ بلاذری کی کتاب انساب الاشراف (مخطوطۂ استانبول و رباط) کے اس حصہ میں جو اب تک غیر مطبوعہ ہے، امیہ بن ابی الصلت کی سوانح عمری بھی ہے۔ اس میں یہ جملہ ہے:

دکان یہودیا وہ یہودی تھا،

اس توضیح کے بعد اس کے اشعار میں توحید، فرشتوں وغیرہ کا ذکر آئے تو کوئی تعجب نہ ہونا چاہیے، قبیلۂ ثقیف سے اس کا تعلق موالات کا ہوگا نسل کا نہیں،

خدا کرے آں محترم اب خیر و عافیت سے ہوں۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

باب التقریظ والانتقاد

الہند فی العہد الاسلامی

از جناب مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری اڈیٹر البلاغ بمبئی

الہند فی العہد الاسلامی اسلامی ہند کے مشہور مورخ و محقق حضرت مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۴۱ھ) کی تیسری اہم ترین کتاب ہے، جو حال ہی میں دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد سے چھپکر شائع ہوئی ہے، اس سے پہلے ان کی دو کتابیں "نزہۃ الخواطر" اور "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" حیدرآباد اور دمشق سے شائع ہوکر عالم اسلام میں قبول عام حاصل کر چکی ہیں، اب یہ تیسری کتاب ہمارے سامنے آئی ہے، اس وقت اسی کتاب کا تعارف مقصود ہے،

اسلامی ہند پر علماء نے اپنے اپنے دور میں زمانہ اور حالات کے تقاضے کے مطابق کتابیں لکھیں، قدماء میں واقدی ۲۰۷ھ کی کتاب اخبار فتوح السند، مدائنی ۲۲۵ھ کی کتاب ثغر الہند، کتاب عمال الہند اور کتاب فتح مکران میں اموی دور اور ابتدائی عباسی دور کی فتوحات و امارات وغیرہ کا تذکرہ تھا، مگر ان میں سے کوئی کتاب آج موجود نہیں ہے، چوتھی صدی میں بزرگ بن شہریار ناخدا نے عجائب الہند کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں عباسی دور میں اہل ہند کے عادات و عوائد

سے متعلق کچھ باتیں پائی جاتی ہیں، یہ ایک قسم کا سفرنامہ ہے، البیرونی ۴۳۰ھ کی کتاب
الہند اور تحقیق ماللہند میں یہاں کے علوم و فنون خاص طور سے ریاضی اور فلکیات کا
بیان ہے، یہ سب کتابیں چھپ چکی ہیں، اسلامی ہند پر ان مستقل تصانیف کے علاوہ
سلیمان تاجر، ابوزید سیرافی، ابن حوقل بغدادی، مسعر بن مہلہل ینبوعی، مسعودی
وغیرہ نے اپنے سفرناموں اور کتابوں میں یہاں کے عام حالات درج کیے ہیں،
اور ابن خرداذبہ کی المسالک والممالک، ابن فقیہ ہمدانی کی کتاب البلدان،
اصطخری کی مسالک الممالک، مقدسی کی احسن التقاسیم اور حموی کی معجم البلدان
میں یہاں کے بلاد و امصار اور ان کے جغرافیائی حالات موجود ہیں، مگر ان کے
مندرجات و معلومات کا تعلق تیسری اور چوتھی صدی کے سندھ و مکران سے ہے، نیز
ان سے اس زمانہ کے اسلامی ہند کی تصویر سامنے نہیں آتی ہے، البتہ ابن بطوطہ
مغربی کے سفرنامہ کی دوسری جلد میں آٹھویں صدی کے اسلامی ہند کے سیاسی و
ملکی حالات اور خطط و آثار کے بارے میں کافی مواد پایا جاتا ہے، اسی طرح فضل اللہ
عمری کی مسالک الابصار میں تغلقی دور کے بارے میں بہت سی قیمتی معلومات درج ہیں،
مگر اس کا یہ حصہ ابھی تک مخطوطہ ہے، آخری دور میں شیخ غلام علی آزاد نے ۱۲۵۰ھ
سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان لکھی، جس میں ہندوستان کے چند علماء و فضلاء
کے تراجم، ہندوستان سے متعلق آثار و روایات اور ہندی شعر و ادب کا تذکرہ ہے،

یہ بات قابل تعجب اور ساتھ ہی افسوسناک ہے کہ ان بارہ تیرہ صدیوں
میں یہاں کوئی ایسا عالم نہیں گذرا جس نے خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد، ابن
عساکر کی تاریخ دمشق، لسان الدین خطیب کی الاحاطہ فی اخبار غرناطہ اور مقریزی کی

کتاب الخطط والآثار کی طرح اسلامی ہند پر کوئی جامع کتاب تصنیف کی ہو، اور
تھوڑا بہت جو کام ہوا وہ غیر ہندی علماء و مصنفین کے قلم کا احسان ہے، اس سلسلہ
میں یہاں کے فارسی مورخوں اور تذکرہ نویسوں سے شکوہ فضول ہے، کیونکہ
انھوں نے روز اول ہی سے اپنے اپنے حلقے مخصوص کر لیے تھے، ایک طبقہ کا قلم
شاہی دربار کی گلکاریوں میں منہمک رہا، اور دوسرا طبقہ مشائخ کی خانقاہوں
میں بیٹھکر اپنے قلم کی برکت سے کشف و کرامات کا مینارۂ نور نصب کرتا رہا
اس کے باوجود ان دونوں طبقوں نے بعض معیاری اور معلوماتی کتابیں
لکھیں، جن کی قدر و منزلت مسلم ہے، چنانچہ درباری حلقہ میں ابوالفضل کی
آئین اکبری اپنے موضوع پر نہایت جامع اور بے نظیر کتاب ہے، جس میں اکبری
دور کے ہندوستان کی ملکی و آئینی معلومات اور دوسری بہت سی باتیں نہایت
شرح و بسط کے ساتھ درج ہیں، مگر اس کی حیثیت ایک حکومت کے انتظامی
آئین نامہ کی ہے، یا زیادہ سے زیادہ اسے تیموری سلطنت کا آئینہ کہا جاسکتا ہے،
اس لیے ایسی کتاب کی سخت ضرورت تھی جو اسلامی ہند کا نقشہ ہمارے سامنے
یوں پیش کرے کہ ہم اس میں عہد بہ عہد مسلم ادوار کے خد و خال دیکھ سکیں
اور معلوم ہو کہ امویوں، عباسیوں، غزنویوں، غلاموں، غوریوں، خلجیوں، تغلقوں، لودھیوں
تیموریوں اور ان کے دور کے علاقائی خود مختار امرا و سلاطین نے حکومت
و سیاست کے میدان میں کیا کارنامے انجام دیے ہیں، ان کا نظام حکومت،
نظام مالیات، نظام اراضی، نظام عدل و انصاف نظام جنگ وغیرہ کس قسم
کا تھا، اور مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں کون کون سے عہدے اور مناصب تھے،

درباری آداب و رسوم کیا تھے ، رعایا اور عوام سے امراء و سلاطین کے تعلقات کس نوعیت کے تھے ، انھوں نے کیا کیا رفاہی خدمات انجام دیں اور امن وامان کی بحالی و برقراری کے لیے کیا جتن کیے ، ان کے دور میں یہاں کے مختلف مذاہب اور مختلف طبقات کے ساتھ کیا سلوک تھا ، انھوں نے کہاں کہاں اور کیسے کیسے مدارس قائم کیے ، جوامع و مساجد تعمیر کیں ، غیر مسلموں کے معبدوں کے لیے کیا کیا ، شفاخانوں کا کیا انتظام تھا ، ان میں مریضوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جاتا تھا ، انھوں نے اس ملک میں کیسی کیسی پرشکوہ اور حسن و جمال سے بھرپور عمارتیں بنائیں کیسے کیسے باغات و انہار سے اس ملک کو سرزمین جنات و انہار بنایا ، کس دور اندیشی سے راستوں اور سڑکوں کی تعمیر کرکے پورے ملک کو ایک بستی بنایا اور ڈاک کا بہتر سے بہتر انتظام کرکے ملک کے دور دراز علاقوں کو جوڑ دیا ، نیز اس دور میں یہاں کے باشندوں کے مذاہب ، زبانیں ، رسوم و عادات تہوار ، ماہ و سال ، اعداد و شمار اور معابد و ہیاکل وغیرہ معلوم ہوں ،

بلاشبہ ان تمام معلومات بلکہ ان کے علاوہ اور بہت سی نہایت اہم اور قیمتی معلومات کے لیے " الہند فی العہد الاسلامی " مکمل اور جامع کتاب ہے اور جس طرح اس کے مصنف مرحوم نزہۃ الخواطر میں ہندوستان کے ابن خلکان اور الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند میں ابن ندیم معلوم ہوتے ہیں اسی طرح الہند فی العہد الاسلامی میں اپنے ملک کے مقریزی نظر آتے ہیں ،

جس زمانہ میں مولانا مرحوم اسلامی ہند کے علماء و مشائخ ، علوم و فنون اور محاسن و مفاخر کی داستانیں عربی زبان میں مرتب کر رہے تھے ، ان کے

معاصر مورخ و مصنف ان ہی موضوعات و مباحث پر اردو زبان میں کتابیں لکھ رہے تھے ، اور ان کو مسلمانوں کے قدیم و جدید طبقوں میں قبول عام حاصل ہوتا تھا ، مگر ان کا نقطۂ نظر وقتی اور مقامی نہیں تھا ، اس لیے انھوں نے ان کتابوں کے لیے عربی کو تصنیفی زبان قرار دیکر پورے عالم اسلام میں اسلامی ہند کو روشناس کرانا چاہا تھا ، چنانچہ یہ مقصد ان کی وفات کے چالیس پچاس سال کے بعد پورے طور سے حاصل ہوا اور انکی کتابیں ہندوستان کے علاوہ عرب ممالک بلکہ عالم اسلام کے علماء ومحققین میں مقبول ہوئیں ، ساتھ ہی مصنف مرحوم اپنی تصانیف کے ذریعہ ہندوستان کے مورخوں اور تذکرہ نویسوں کی اس غلطی کا ازالہ کرنا چاہتے تھے جسکا ارتکاب شروع سے آخر تک ان کی فارسی کی تاریخوں میں ہوا ہے ، چنانچہ یاد ایام میں ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

"ملک کی بد مذاقی دیکھئے کہ ابتدا سے اب تک ہندوستان کی سیکڑوں تاریخیں لکھی گئیں اور مختلف عنوانوں سے لکھی گئیں ، مگر ان میں سے کوئی کتاب تاریخ نویسی کے معیار پر پوری نہیں اترتی ، جس کتاب کو اٹھا کر دیکھئے معلوم ہوتا ہے کہ رزم و بزم کا کوئی افسانہ ہے ، قرنا کوس کے ذکر سے اگر کوئی صفحہ خالی ملے گا تو چنگ و رباب کے ذکر سے اس کو آپ خالی نہ پائیں گے ۔"

میں اسلامی ہند کی تاریخ کے ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے اس حقیقت کے اظہار میں اطمینان و مسرت محسوس کرتا ہوں کہ یہ کتاب اور نزہۃ الخواطر

اور الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، اسلامی ہند کی تاریخ نویسی کے معیار پر پوری
اترتی ہیں، اور ان میں یہاں کے اسلامی ادوار کی تاریخ کی پوری آئینہ داری
موجود ہے، ضرورت ہے کہ "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" کی طرح ان دونوں
کتابوں کا ترجمہ بھی اردو زبان میں کیا جائے، تاکہ اردو داں طبقہ کے سامنے
بھی ہندوستان کے مسلم ادوار کا صحیح نقشہ آجائے، خاص طور سے موجودہ حالات
میں اس کی بڑی ضرورت ہے، خود مصنف مرحوم نے اس ضرورت کا اظہار
کتاب کے مقدمہ میں یوں کیا ہے کہ

"میں نے یہ کتاب تفریحی شغلہ کے طور پر یا کسی کے دباؤ اور شوق دلانے
پر تصنیف نہیں کی ہے، بلکہ میرے نزدیک یہ کام نہایت ضروری اور
بقدر استطاعت فرض تھا، پھر وطن عزیز بمنزلہ والدہ کے ہوتا ہے، اسکا
بھی حق ہے اور اس سے محبت ناگزیر ہے۔ اس لیے ہم پر لازم ہے کہ اس کے
بارے میں جو کچھ ہم جانتے ہیں، اس سے مسلمانوں کو واقف کرائیں۔"

یوں تو پوری کتاب ہی "دریا بہ کوزہ" کے مصداق ہے، مگر آخری حصہ جو
خطط و آثار پر مشتمل ہے، نہایت اہم ہے، اور کہنا چاہیے کہ یہ رخ اس قدر
بسط و تفصیل کے ساتھ مستند و معتبر طریقہ پر پہلی بار سامنے آیا ہے، اس میں مختلف
ادوار کے حکمرانوں کے اصول سلطنت، نظام مملکت، شاہی آداب رسوم
زمینوں کی تقسیم، خراج و عشر کی تشخیص، عدل و انصاف اور قضا کا طریقہ
سرکاری دواوین و مناصب، مرکزی اور صوبائی نظام، فوجی نظام، بری
اور بحری طاقت، اصول جنگ، شہور و سنین اور ساعات، نقود، سکہ جات

ناپ تول، اوزان وغیرہ کا بیان نہایت مفصل طریقہ پر کیا گیا ہے، اس کے بعد
مسلم حکمرانوں کی فنی و تعمیری اور علمی و دینی خدمات، اس سلسلے کے آثار یعنی
مساجد، جوامع، مدارس، شفاخانوں، باغات، نہروں، حوضوں، سڑکوں
ڈاک، مشاہد و مقابر، ہیاکل و معابد اور فن تعمیر اور فنون لطیفہ کے عجیب
غریب آثار و علائم کا ذکر کیا گیا ہے، شاید اسی لیے مصنف نے اس کا نام
جنۃ المشرق ومطلع النور المشرق رکھا تھا،

فروری ۱۹۲۳ء میں مصنف کا انتقال ہوا، اور اسی سال
علامہ سید سلیمان ندویؒ نے دار المصنفین اعظم گڈھ سے اس کتاب کی اشاعت کا
انتظام کیا، اور اس کی افادیت و اہمیت کے پیش نظر دہلی میں عربی ٹائپ پر چھپوانا
چاہا، اس کا ایک معتدبہ حصہ چھپ بھی گیا تھا، مگر تاخیر کی وجہ سے مسودہ کا باقی حصہ کیڑوں
کوڑوں کی نذر ہوگیا، جب اس علمی حادثہ کی خبر مصنف مرحوم کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر
عبد العلی صاحب مرحوم کو ہوئی تو انھوں نے اسی کرم خوردہ اور ناقص مسودہ کو دوبارہ
لیکر بڑی محنت سے مکمل کیا، بلکہ بعد کے واقعات کے سلسلے میں نہایت قیمتی اضافے بھی کیے،
اور چونکہ اس وقت طباعت کی امید نہیں تھی، اس لیے بحفاظت رکھدیا، اللہ کی
شان کہ اس بار بھی یہ مسودہ کیڑوں کوڑوں کی نذر ہوکر اس کے صفحات غائب ہوگئے
مگر مولانا ابو الحسن علی صاحب ندوی نے بڑی تلاش و تحقیق کے بعد اسے دوبارہ مرتب
کیا، اور اپنے بھائی مرحوم ڈاکٹر عبد العلی صاحب کے زیادات پر "زیادۃ الزیادات"
لکھکر کتاب کو ہر اعتبار سے جامع و مکمل بنادیا، اور ساتھ ہی موصوف نے مصنف کے
حالات کے بعد ۷۳ صفحات کا بسیط مقدمہ لکھا جو بجائے خود ہندوستان کی اسلامی

تاریخ کا عصارہ اور الہند فی العہد الاسلامی کا خلاصہ ہے،

اس کتاب کے تین حصے یا فنون ہیں، پہلا فن یہاں کے جغرافیائی اور ملکی حالات پر مشتمل ہے، دوسرے فن میں مسلم سلاطین کی مختصر تاریخ ہے، اور تیسرے فن میں خطط و آثار کا بیان ہے،

فن اول ص۱ سے ص۱۲۹ تک ہے، اس میں ایک مقدمہ اور پانچ ابواب ہیں، مقدمہ میں جغرافیہ کے عام اصطلاحی الفاظ و محاورات کی تشریح ہے، باب اول میں ہندوستان کا جغرافیہ، دریا، پہاڑ، آب و ہوا، پیداوار، حاصلات، عطور و بخور، عقاقیر، اشجار و اثمار، جانور، پرند، چرند، معدنیات، مذاہب، زبان وغیرہ کا بیان ہے، باب دوم میں طبعی اور جغرافیائی علاقوں اور خطوں کا تذکرہ ہے، باب سوم میں یہاں کے صوبوں اور ان کے مشہور مقامات اور شہروں کا ذکر ہے، باب چہارم میں فرانس اور پرتگال کے ہندوستانی مقبوضات اور انگریزی کے مسلم اور غیر مسلم حکمرانوں کی ریاستوں اور جاگیروں کی تفصیل ہے، باب پنجم میں ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے مطابق یہاں کے باشندوں کی آبادی اور مختلف مذاہب والوں کے اعداد و شمار درج ہیں،

فن ثانی ص۱۳۰ سے ص۳۲۵ تک ہے، اس میں بڑے سلیقہ اور اختصار کے ساتھ ابتدائے اسلام سے اس دور تک کے مسلم بادشاہوں اور ان کی حکومتوں کا ذکر ہے، اس حصہ کے مطالعہ سے مسلم حکمرانی کے تمام ادوار سامنے آجاتے ہیں، اس میں دس ابواب ہیں، باب اول میں خلافت راشدہ سے لیکر تیسری صدی تک کے غزوات و فتوحات اور امارات کا اجمالی ذکر ہے، جو زیادہ تر بلاذری کی کتاب فتوح البلدان

کے باب فتوح السند پر مشتمل ہے، باب دوم میں غزنوی اور غوری سلاطین کا ذکر ہے، باب سوم میں سلاطین دہلی کا بیان ہے، جس میں غلاموں خلجیوں، تغلقوں اور تیموریوں کے حالات بڑی جامعیت کے ساتھ درج ہیں، باب چہارم میں سلاطین کشمیر، باب پنجم میں سلاطین دکن، باب ششم میں سلاطین گجرات، باب ہفتم میں سلاطین شرقیہ جونپور، باب ہشتم میں ملوک مالوہ و مانڈو، باب نہم میں طوائف الملوکی کے دور کے امراء و ملوک کا بیان ہے، جن میں ملوکِ سندھ، ملوکِ ملتان، ملوکِ بنگالہ، ملوکِ خاندیس، ملوکِ بیجاپور، ملوکِ احمدنگر، ملوکِ اڑیسہ، ملوکِ گولکنڈہ، ملوکِ برار، ملوکِ بریدشاہی، ملوکِ اودھ، اور بنگال، بہار، اڑیسہ، فرخ آباد، روہیل کھنڈ، نجیب الدولہ شاہی اور میسور کے حکمرانوں اور نوابوں کا ذکر شامل ہے، باب دہم میں تین فصلیں اور تذئیل و تکمیل ہیں، فصل اول میں ہندوستان میں برطانوی سلطنت اور انگریزی تسلط کی تاریخ ہے، فصل دوم میں ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی اور فصل سوم میں انگریزی میں ہندوستان کے مسلمان امراء و نوابین کا تذکرہ ہے، تذئیل و تکمیل میں مصنف کے صاحبزادہ ڈاکٹر عبدالعلی صاحب اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ۱۹۴۵ء سے ہند و پاکستان کی تقسیم کے بعد تک کے واقعات درج کیے ہیں، جن میں ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے رو سے ملک کی آبادی میں مسلمانوں کا عددی تناسب، ہر صوبہ میں ان کی تعداد اور یہاں کی سرکاری زبانوں وغیرہ کا ذکر اختصار اور جامعیت کے ساتھ ہے، جو بجائے خود نہایت اہم اور مفید چیز ہے،

فن ثالث ص۳۲۶ سے ص۴۶۷ تک ہے، اس میں سلطنت کے امور و معاملات، محکمہ جات، عہدہ جات، مناصب، شاہی آداب و رسوم اور نظام مملکت اور کارناموں کا

ذکر بہایت تفصیل سے ہے۔ اس میں تین باب ہیں، پہلے باب میں آٹھ فصلیں ہیں،

فصل اول میں ہندوستان کے نظام حکومت اور دُوَلی قانون کے پس منظر کا ذکر کرکے ملوک ہند کے دو طبقے قائم کیے گئے ہیں، پہلے طبقہ میں ملوک اور خلجی وغیرہ سلاطین کے طرز حکومت اور سرکاری مناصب اور حسب ذیل شاہی محکمہ جات اور ارکان دولت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ وزیر، عرض الممالک، حاجب، قاضی، امیر داد، کوتوال، امیر کلید دار، امیر وکیل دار، امیر جامدار، امیر سلاح دار، دیوانِ عرض، دبیر، مشرف، مستوفی، مجموعہ دار، اقطاع دار، مقطع، آخور بیگی، شحنۂ فیل، شحنۂ عمارت ان تمام عہدوں کی تفصیلات اور ان کے کاموں کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، دوسرے طبقۂ سلاطین میں سلاطینِ تیموریہ (سلاطین مغلیہ) کے مرکزی اور صوبائی عہدہ داروں اور سرکاری افسروں کی تفصیل درج ہے۔ مرکزی افسر اور ارکان دولت جو سفر و حضر میں بادشاہ کے ساتھ رہا کرتے تھے، اور اس کے نائب کی حیثیت سے امور مملکت کو انجام دیتے تھے، یہ تھے: وکیل مطلق، مدار المہام، دیوان اعلیٰ، میر بخشی، صدر الصدور، قاضی القضاۃ، مفتی لشکر، محتسب، داروغۂ عدالت، دبیر، میر توزک، میر آتش، میر سامان، خانساماں، داروغۂ خریداری، داروغۂ جواہر خانہ، داروغۂ کتب خانہ، داروغۂ غسل خانہ، داروغۂ عرض مکرر، داروغۂ ڈاک چوکی، داروغۂ خاصیاں، آخور بیگی، شحنۂ فیل، کوتوال۔ صوبوں کے افسر اور شاہی ملازم یہ تھے، صوبہ دار، بخشی، دیوان (اسکے ماتحت پیشکار، داروغۂ کچہری، مشرف دفتر، تحویلدار، منشی کچہری، حضور نویس، صوبہ نویس، محرر خالصہ، محرر دفتر تن، محرر دفتر باقی، محرر سررشتہ تھے اور یہ سب دیوان کے محکمے سے تعلق رکھتے تھے)، فوجدار، صدر، قاضی، محتسب، داروغۂ عدالت، وقائع نگار، کوتوال، تھانہ دار، عمل گزار، خزانہ دار، قانون گو، پٹیل، ان کے علاوہ صوبوں میں اور بھی مزید عہدے ہوتے تھے، مثلاً دیوان سائر (اس کے ماتحت داروغہ، امین کروری، مشرف، تحویلدار ہوا کرتے تھے) دیوان حدائق، دیوان بیت المال، دیوان عمارت، بیوتات، دار الشفاء

فصل دوم میں فوجی نظام کا بیان ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ یہاں کے سلاطین کا فوجی نظام چنگیز خاں کے فوجی نظام سے ماخوذ و متاثر ہے، پھر علاء الدین خلجی، شیر شاہ سوری، سلیم شاہ سوری اور اکبر وغیرہ کے فوجی نظام اور جدید قوانین و اصلاحات کا ذکر ہے، اور یہ کہ شاہ جہاں کے دور میں بنگال میں زبردست بحری بیڑا تھا جس میں ایک ہزار جنگی جہاز اور ستر ہزار سپاہی تھے، پھر میدان جنگ میں فوجوں کی ترتیب، صف بندی اور طریقۂ جنگ کا بیان ہے،

فصل سوم میں شاہی منصب کا ذکر ہے جو سلاطین کی طرف سے ارکان دولت، امرائے ملک اور مقربین بارگاہ کو بخشا جاتا تھا، مثلاً منصب دہ ہزاری، پنج ہزاری اور دو ہزاری وغیرہ میں بادشاہ کی طرف سے کتنے گھوڑے، ہاتھی، گاڑیاں اور ماہانہ وظائف ملتے تھے،

فصل چہارم میں نظام آراضی اور مالگذاری وغیرہ کے قوانین کا ذکر ہے اور اس سلسلہ کے عہدوں کی تفصیل ہے،

فصل پنجم میں سلاطین کے عدل و انصاف کے طور طریقہ کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ میں شیر شاہ کی سیاست کا ذکر خاص طور پر ہے۔ اس کے بعد مغل بادشاہوں کے قانون عدل کے بیان کے ساتھ ان کے دربار عام کا ذکر ہے، جس میں دور دور سے مظلوم اور

دادخواہ آکر عدل و انصاف پاتے تھے، اس سلسلہ میں عدل عالمگیری کا ذکر خاص طور سے کیا گیا ہے، اور یہ کہ سب سے پہلے عالمگیر نے دار القضا، اور عدالتوں میں تہر عجی و وکالت کا طریقہ جاری کیا،

فصل ششم میں سلاطین کے قصور و محلات کا ذکر ہے، اور یہ کہ اس ملک کے کن کن سلاطین کے کہاں کہاں شاہی محلات ہیں اور ان کا طرز تعمیر کیا ہے،

فصل ہفتم میں خاص طور سے بادشاہوں کے دربار عام کی تفصیل درج ہے، اور یہ کہ اس جلوس کے شاہی آداب کیا تھے،

فصل ہشتم میں سلاطین ہند کے جشن اور تہوار کا ذکر ہے،

فصل نہم میں بادشاہ کے اپنے ملک میں نکلنے کے طور طریقہ کا بیان ہے،

فصل دہم میں بادشاہ کے سامنے آداب بجالانے کا ذکر ہے،

باب دوم میں پانچ فصلیں ہیں: فصل اول میں یہاں کے مہینوں، سالوں اور گھڑیوں کا بیان ہے اور مسلمانوں کی تاریخ کا خصوصی ذکر ہے، فصل دوم، یہاں کے نقود اور سکہ جات کے بیان میں ہے، جس میں بڑی دقت نظر سے کام لیا گیا ہے اور ان کے بارے میں نہایت قیمتی معلومات درج ہیں، فصل سوم میں مقادیر و اوزان کا ذکر ہے، فصل چہارم میں زمین کے اقسام خالصہ، صرف خاص، پائیگاہ، جاگیر، انعام وغیرہ کا ذکر ہے، فصل پنجم میں عشر اور خراج وغیرہ کا بیان ہے، اسی ضمن میں یہاں کے بادشاہوں کے مالیات کا ذکر بھی آگیا ہے،

باب سوم میں آٹھ فصلیں ہیں: فصل اول میں سڑک اور ڈاک فصل دوم میں حوض اور نہریں، فصل سوم میں باغات، فصل چہارم میں جوامع اور مساجد

فصل پنجم میں مدارس کا تذکرہ بڑی تفصیل سے ہے، اور ہر صوبہ اور علاقہ کے مشہور مدارس کے حالات درج ہیں، یہ فصل بہت ہی اہم اور مفید ہے، فصل ششم میں شفاخانوں، اطبا، ادویہ، امراض کی تفصیل کے ساتھ شفاخانوں کے حسن انتظام کا تذکرہ ہے، فصل ہفتم میں بزرگان دین اور امراء و سلاطین کے مقابر و مشاہد کا بیان ہے، اور فصل ہشتم میں یہاں کے امام باڑوں کے بارے میں معلومات ہیں،

آخر میں نوادر کے بیان میں فیروز شاہ کی گھڑی، جونپور میں گومتی کا پل جسے اکبر کے زمانہ میں منعم خاں نے بنایا تھا، نظام شاہ کے حکم سے محمد رومی کی بنائی ہوئی توپ، فتح اللہ شیرازی کی بندوق اور اس کی چکی، حکیم علی گیلانی کا لاہور میں حوض اور نگ آباد کی نہر ہر سول اور دہلی کے لال قلعہ کا حمام درج ہے۔

مطبوعاتِ جدیدہ

صدر یار جنگ - مرتبہ مولوی شمس تبریز خاں صاحب، بڑی تقطیع، کاغذ و طباعت اچھی، صفحات ۴۰۸، مجلد مع گرد پوش، قیمت: دس روپے،
پتہ: مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس نمبر ۹۳ لکھنؤ۔

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم گوناگوں اوصاف و محامد کے جامع، مسلمانوں کی اجتماعی، قومی و ملی سرگرمیوں میں پیش پیش اور ان کے متعدد مذہبی، علمی اور تعلیمی اداروں سے منسلک رہے ہیں، ریاست حیدرآباد کے امور مذہبی کے صدر الصدور، علی گڑھ کالج و یونیورسٹی، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ندوۃ العلماء اور دار المصنفین کے رکن رکین تھے، مولانا شبلی مرحوم سے خصوصی تعلقات تھے، ان کی وفات کے بعد معارف نے اپنی وضع کے خلاف خاص نمبر شائع کیا تھا، مگر ان کی جیسی ہمہ گیر اور جامع کمالات شخصیت کے لیے مستقل سوانح عمری کی ضرورت تھی، اس کا دین ندوہ اور دار المصنفین کے کارکنوں کے ذمہ باقی تھا، اب دار العلوم ندوۃ العلماء کے موجودہ ناظم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی توجہ سے یہ ادا ہو سکا ہے، زیر نظر کتاب میں پہلے مولانا شروانی کے خاندانی حالات، ولادت، تعلیم، اساتذہ، بیعت و ارادت، انتظام ریاست، کتب خانہ، قومی و ملی خدمات اور مختلف اداروں سے وابستگی، ازدواج و اولاد اور معاصرین و احباب کا تذکرہ ہے، پھر انکے علمی کمالات، ذوقِ ادب، تصنیفات، شمائل و اخلاق اور زہد و اتقا، وغیرہ کا ذکر ہے،

آخر میں متعدد اکابر کے تاثرات نقل کیے گئے ہیں، شروع میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے قلم سے ایک بصیرت افروز مقدمہ ہے، اس کو پڑھ کر بے اختیار جی چاہا کہ کاش فاضل مقدمہ نگار ہی کے قلم سے پوری کتاب لکھی گئی ہوتی تو اس کی کیفیت کچھ اور ہوتی لیکن وہ اپنے عوارض اور مشغولیتوں کی وجہ سے اس سے معذور تھے، اس لیے ان کی تجویز و انتخاب سے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کے نوجوان اور لائق رفیق مولوی شمس تبریز خاں صاحب نے بڑی محنت اور جانکاہی سے مولانا شروانی کے کمالات اور کارناموں کا مرقع تیار کیا ہے، اس سے ان کی سیرت کے گوناگوں جلوے اور شخصیت کے خط و خال نمایاں ہو جاتے ہیں، مگر اس میں بعض خامیاں ہیں، مولانا کے ستھرے اور پاکیزہ ادبی و تنقیدی ذوق اور شعر و سخن سے دلچسپی کا جس قدر تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، اتنی تفصیل سے ان کی تاریخ و سیرت نگاری اور علمی بلند پایگی کا ذکر نہیں ہے، مولانا کو دار المصنفین سے مدۃ العمر جو تعلق رہا ہے، اس کا تقاضا تھا کہ اداروں اور تحریکوں سے ان کی وابستگی کے سلسلہ میں مستقل عنوان کے ماتحت اسکا ذکر ہوتا۔

بعض جگہ پیرایۂ بیان علمی نہیں ہے، مثلاً نواب صاحب کی ڈائری میں سرسید سے ملاقات کا ایک سن ۱۸۹۳ء ہے لیکن اندازہ یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے بھی سرسید سے مل چکے ہوں گے، بہرحال" (ص ۱۶۵)، یہاں اندازہ اور تخمینہ کے بجائے ثبوت اور دلیل کی ضرورت تھی، کیونکہ یہ خود مولانا کے بیان کے خلاف ہے۔ "یونیورسٹی بننے کے پہلے سے کالج کے شعبۂ دینیات سے آپ کا تعلق تھا" (ص ۱۶۶) آخر کس قسم کا تعلق؟ مولانا شعبہ کے صدر تھے، یہاں اس کی تصریح ضروری تھی، "غالباً ایک حدیث قدسی میں ہے کہ....." ص ۲۹۴۔ اس حدیث قدسی کی تحقیق ہو سکتی تھی۔ اقتباسات کے نقل میں عموماً بے احتیاطی کی گئی ہے، ایک اقتباس کے ساتھ ہی دوسرا اقتباس

دیدیا ہے، یا خود مصنف نے اپنی تحریر اس میں ملا کر شامل کر دی ہے، مولانا شروانی کے معاصرین میں ڈاکٹر اقبال کو ان سے عمر میں بڑا بتایا گیا ہے، جو صحیح نہیں ہے، مولانا شروانی اور مولانا سلیمان اشرف کے تعلقات کے ضمن میں علامہ سید سلیمان ندوی کے وہ تاثرات نقل کیے گئے ہیں جو انھوں نے مولانا سلیمان اشرف کی وفات پر تحریر فرمائے تھے، اس میں دونوں کے تعلقات کا کوئی ادنی اشارہ بھی نہیں ہے، ص ۴۰۵ پر مولانا کی خوش طبعی کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے کہ "تحریروں میں تو انھیں (مولانا کو) اس کے اظہار کا موقع نہ تھا" مگر اسکے بعد دو ڈھائی صفحوں تک مولانا کی جو تحریریں نقل کی گئی ہیں، ان سے انکی خوش طبعی اور ظرافت ظاہر ہوتی ہے، املا و کتابت کی غلطیاں تو بیشمار ہیں، ص ۳۹۴ پر خورد کو تین تین جگہ خرد لکھا گیا ہے، کہیں کہیں سنین بھی غلط لکھے گئے ہیں، مثلاً ص ۱۶۱ پر ۳۶ء کے بجائے ۴۶ء ہے، ان خامیوں سے قطع نظر کتاب بجائے خود محنت اور خوش سلیقگی سے مرتب کی گئی ہے، نواب صاحب کی زندگی بڑی پاکیزہ اور دلکش تھی، وہ اپنے عہد کی ہر ملی و اجتماعی بزم کی رونق اور تمام علمی و تعلیمی تحریکوں کے روح رواں تھے، اور اس دور کے اکثر اعیان و اکابر سے ان کے تعلقات تھے، اس حیثیت سے یہ کتاب گویا اس عہد کی بڑی دلچسپ، سبق آموز اور قابل مطالعہ تاریخ ہے،

تصورات بیدل: از پنڈت کیلاش نرائن کول دہلوی صاحب، تقطیع خورد، کاغذ کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۱۹۱ مجلد مع گرد پوش، قیمت صر پتہ: ناشر محل، امین آباد، لکھنؤ۔

یہ آنجہانی پنڈت کیلاش نرائن کول بیدل کا مجموعۂ کلام ہے جسکو ان کے فرزند پی، این کول صاحب نے نواب مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی مرحوم کی نظر ثانی کے بعد شائع کیا ہے، اسکے شروع میں چند رباعیاں و قطعات اور آخر میں نظمیں ہیں، مصنف کو زیادہ مناسبت غزلوں سے تھی، اسلئے اس مجموعہ کا زیادہ حصہ غزلیات ہی پر مشتمل ہے، بیدل صاحب شاعری کی قدیم، صالح روایتوں اور اسکے جدید انداز سے واقف تھے، ان کے دردمند دل میں انسانیت کا درد و غم، وطن کی الفت و محبت اور موجودہ گراوٹ اور بناوٹ کے خلاف نفرت کا جذبہ موجزن تھا، اسلئے انھوں نے غزلوں میں رمز و کنایہ کے پردہ میں غم زمانہ کی حکایت سنائی ہے، مصنف کی زبان کی سادگی، انداز بیان کی سلاست اور طبیعت کے سوز و گداز نے انکے تغزل میں بڑی کیفیت اور لطافت پیدا کر دی ہے، اور یہ مجموعہ اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے۔

"ض"

جلد ۱۱۰ ماہ شوال المکرم ۱۳۹۲ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۷۲ء عدد ۵

مضامین

مقالات